September

ماہنامہ
تجلّی
دیوبند
ایڈیٹر: عامر عثمانی
خدا سے ڈرو
سارے خوف سے نجات مل جائیگی
تاریکیوں میں ایک چراغ
1150

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (وی پی ساڑھے سولہ روپے کا ہوگا ــــ منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائینگے)

اسلامی پریس دیوبند || سالانہ:- پندرہ روپے۔ || اس پرچہ کی قیمت۔ ڈیڑھ روپیہ

ایمان نمبر

ایک اور اہم پیش کش
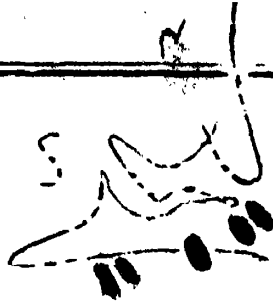
"نظریۂ ارتقاء نمبر"

بعض مغربی علماء وفلاسفہ کا تراشا ہوا نظریۂ ارتقاء اتنا ظاہر فریب ہے کہ مسلمانوں کا بھی ایک پڑھا لکھا طبقہ اس کے دھوکے میں آگیا ہے اور بعض علماء تک مغالطہ کھا گئے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا امکان تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن اس خیال کے حامل ایک کرم فرما کے طویل مراسلے پر نقد کرتے ہوئے تجلّی ثابت کرے گا کہ نظریۂ ارتقاء اور قرآنی وضاحتوں میں تضاد ومنافات کی نسبت ہے۔ ایک کو ماننا دوسرے کے انکار کے بغیر ممکن نہیں اور ہر مسلمان کو اس اٹکل پچو نظریے کے باطل پہلوؤں سے آگاہ ہو جانا چاہیئے۔

بجلی اور ریل ہمارے قبضے میں نہیں۔ اگر نظام میں کچھ سدھار ہوگیا تو ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ اکتوبر کے آخری عشرے میں یہ خاص نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہوگا نہ ہوا تو دس پانچ دن کا انتظارِ مزید بہرحال تقدیرِ الٰہی کہلائے گا۔

"تجلّی" اپنے اس نمبر کو ان تمام علماء ومفکرین کے آگے چیلنج کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے جو یہ خوش فہمی رکھتے ہیں کہ نظریۂ ارتقا کوئی علمی نظریہ ہے اور اس کی صحت کا امکان تسلیم کر لینے میں قرآن حائل نہیں ہے۔

واللہ المعین نعم المولیٰ ونعم الوکیل

کبھی کبھی تو اُن خطوط کو پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں جن میں تجلّی کے قارئینِ محترم کی طرف سے رسالہ نہ پہنچنے پر احتجاج کیا جاتا ہے۔ شاید انتظار، تڑپ، شکوہ، فریاد، غصّہ اور تلملاہٹ کیا نہیں ہوتا ان میں۔ یہ سارے جذبات و کیفیات ظاہر ہے کہ مظہر ہوتے ہیں اُس گہرے تعلق اور الہانہ وابستگی کا جسے تولا یا ناپا نہیں جا سکتا بس محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آنکھوں کی نمی کو جذبۂ شکر کی نمود کہہ لیجیے۔ شکر اس خدائے رؤف و رحیم کا جس نے ایک ہم جیسے بے بضاعت کی کاوشوں کو ہزاروں بندگانِ خدا کی نظروں میں محبوب بنایا ورنہ کہاں ایک خشک دینی و علمی پرچہ اور کہاں یہ ناقابلِ قیاس مقبولیت۔ مقبولیت کا احساس اُس وقت خاص طور پر ہوتا ہے جب پرچہ غیر معمولی طور پر لیٹ ہو جاتا ہے اور صدہا خطوط ساون کی جھڑی کی طرح برستے ہیں۔

ایمان نمبر بھی لیٹ ہوا۔ کہانی سننے کے قابل ہے بشرطیکہ آپ "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" والی کہاوت کو بے محل استعمال کرنے کے عادی نہ ہوں۔

بجلی کا رونا پرانا ہو چکا۔ اب تو یہ ڈر لگنے لگا ہے کہ کہیں زیادہ ذکی الحس قارئین یہ بدگمانی نہ فرمانے لگیں کہ تجلی والوں نے "بجلی" ہماری چڑھ بنالی ہے۔ پھر بھی سچ تو سچ ہی ہے۔ ایمان نمبر کی کاپیاں جولائی کے پہلے ہفتے میں پریس جانی شروع ہو گئی تھیں اور پوری توقع تھی کہ اعلان کے مطابق تیسرے عشرے میں ہدیۂ ناظرین کیا جا سکے گا لیکن وسط جولائی سے بجلی کا حال اتنا سقیم ہوا کہ ناگفتہ بہ سے بہتر الفاظ اس کے لئے کوئی نہیں۔ آئی۔ دس منٹ رہی۔ دو گھنٹے کو بھاگ گئی۔ نہ دن میں تسلسل نہ رات میں۔ ایک منزل کتابت شدہ کاپیاں جمانے کی ایسی بھی آتی ہے جس میں بجلی کا دفعتاً آگ جانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے آپریشن کے دوران گھپ اندھیرا چھا جانا۔ اس حادثے میں لکھی لکھائی کاپی مکمل طور پر برباد بھی ہو جاتی ہے اور ناقص تو بہرحال ہوتی ہی ہے۔ اس بار یہ بھی حادثہ پیش آ کر رہا اور مالی نقصان سے کہیں بڑھ کر وقت کے ضیاع نے صبر و سکون کی چولیں ہلا دیں۔

بجلی کی بدترین حالت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ

دیوبند کے سرد مزاج عوام بھی آخر کار تنگ آمد بجنگ آمد کی سطح پر آ ہی گئے اور شروع اگست میں وہ طوفان برپا ہوا کہ بعض عالی مرتبہ شہزادوں کو بھی خوابِ خرگوش سے چونکنا پڑا۔ پہلے تو جلوس نکلا۔ کچھ توڑ پھوڑ ہوئی۔ کوئی پٹ بھی گیا۔ پھر عین تحصیل اور تھانے کی ناک کے نیچے جلسہ ہوا جس میں گرما گرم تقریروں کے بعد چار افراد نے اعلان کیا کہ وہ بھوک ہڑتال پر بیٹھ رہے ہیں۔ پھر وہ بیٹھ بھی گئے۔ ساتھ ہی شہر گیر ہڑتال ہوئی۔ تار اور فون کھڑکے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند نے بھی احتجاجی جلسہ کیا اور لوگ کئی دن اِدھر اُدھر بھاگے دوڑے۔

بات یہ ہے کہ بجلی کی پیداوار کم ہو تو یہ ایک معقول عذر ہو سکتا ہے لیکن معقولیت اور سرکاری انتظامیہ میں شاید اب بیر ٹھن گیا ہے۔ کبھی دیوبند چھوٹا سا تھا۔ بجا طور پر اسے بجلی کے محکمے نے "دیہات" کی فہرست میں شامل کر رکھا تھا۔ پھر یہ پھیلتا گیا۔ بڑھتا گیا۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ دو دو منصف بیسیوں کارخانے۔ سیلر۔ شوگر مل۔ موٹریں بلڈنگیں۔ سب کچھ وہ جس سے کوئی بستی "شہر" کا عنوان پاتی ہے۔ مگر سرکاری عینک ہی دوسری ہے۔ وہ اس طرح کی تبدیلیاں محض تفریحاً دیکھ سکتی ہے ان سے مناسب نتائج اخذ نہیں کر سکتی۔ اگر کر سکتی تو متعلقہ محکمہ کو خود ہی سابقہ تقسیم درجات پر نگاہِ ثانی کر کے دیوبند کو شہروں کی فہرست میں لے لینا چاہیئے تھا مگر خدا نہ کرے وہ اتنی سعادتمند کیسے ہو جائے۔ غضب تو یہ تھا کہ نہ کوئی اعلان نہ اطلاع۔ جب جس وقت چاہا کرنٹ دبا لیا۔ آج دن میں آٹھ گھنٹے غائب رہی تو کل رات میں غائب ہو جائے گی۔ غائب اور حاضر کی گردان بھی عجیب سے عجیب تر۔ جیسے کوئی شریر بچہ مین سوئچ پر بیٹھ کر کھلنڈریاں کر رہا ہو کہ کبھی سوئچ نیچے کیا کبھی اوپر۔ یہ ستم ظریفی نہ ہوتی تو دیوبند کے برفیلے عوام شاید اس پر بھی صبر کر لیتے کہ آٹھ یا دس گھنٹے ہی انھیں بجلی میسر آتی رہے۔ تسلسل کی صورت میں کوئی تو ڈھنگ کا پروگرام بن سکتا تھا لیکن آنکھ مچولی نے کتنی ہی مشینوں کے متعدد پرزے خراب کیے۔ اسلامی پریس کو بھی کئی بار صدمہ پہنچا۔ ہڈیاں ٹوٹیں اور مرہم پٹی کرانی پڑی۔

بھوک ہڑتال سے پچاس آدمی بھی انتقال کر جائیں تو ہماری شاندار انتظامیہ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ سکتی بشرطیکہ اسے یہ اطمینان ہو جائے کہ خود اس کے ہاتھ پیر سلامت رہ جائیں گے اور خیر و عافیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ لیکن یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ اسکول کالج کے لڑکوں نے ابتدائی ریہرسل ہی میں کچھ شیشے وغیرہ توڑ کر اور ایک "غریب" کو پیٹ کر بڑا غیر خوش آئند تاثر دیا اور بالکل توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ستم ظریفی کی اگر یہی روش جاری رہی تو یہاں بجلی کے کھمبے اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکیں گے۔

مآل کار دو ہی تین روز میں خواجگانِ وقت کو محسوس کرنا پڑا کہ دیوبند ماشاء اللہ اب دودھ پیتا بچہ نہیں رہا۔ داڑھی مونچھ نکلنے لگی ہے خیریت اسی میں ہے کہ اسے "دیہات" سے خارج کر کے "شہر" میں داخل کر دیا جائے اور جو سلوک آس پاس کے شہروں سے ہو رہا ہے یہی اس سے بھی ہو۔

یہ داستان ابھی آگے بھی جاتی ہے مگر بیچ میں رک کر ذرا وہ مزید افتاد بھی زیبِ سماعت ہو جائے جس نے "ایمان نمبر" کو اور زیادہ لیٹ کیا۔ نمبر یکم اگست کو پوسٹنگ کے لئے تیار تھا لیکن ریل والوں نے کہا کہ بھائی ایسی بھی کیا جلدی ہے ہمیں بھی تو ہڑتال کھیلنے دو۔ بس پھر ایک دو کو چھوڑ کر ساری گاڑیاں جام ہو گئیں۔ دیوبند سے ڈاک پہلے سہارنپور جاتی ہے وہاں سے اِدھر اُدھر بٹتی ہے۔ سہارنپور تک پہنچنے کے لئے ڈاکخانے والوں نے بس کا سہارا لیا اور ہمیں چند روز اس انتظار میں رکنا پڑا کہ ریل شاید آج کل میں کھل جائے۔

مگر تقدیر بہر حال تقدیر ہے۔ جب ہڑتال ختم ہونے کے آثار نظر نہ آئے تو ڈاک خانے والوں نے منظور کیا کہ تجلی کو تھوڑا تھوڑا کر کے بس ہی سے ڈھو

دیں گے۔ بچارے کرتے بھی کیا۔ بس میں ریل جیسی گنجائش تو ہوتی نہیں۔ اندر سواریاں، اوپر سامان، مشکل سے تین چار بورے روز جا سکتے تھے۔ خدا انھیں خوش رکھے نخرے تو نہیں دکھائے۔ مگر پوسٹنگ کی تکمیل میں تقریباً دس دن ضرور لگ گئے۔ کہیں کہیں تو یہ نمبر، ار اور ۱۸ اگست کو پہنچا ہوگا حالانکہ یکم اگست تک مکمل ہو گیا تھا۔

اور سنئے۔ کہاوت ہے کہ مرتے کو مارے شاہ مدار۔ وہ بنڈل جو ریل سے جاتے ہیں تیار پڑے تھے بلکہ کچھ تو اسٹیشن بھی جا چکے تھے کہ دفعتاً اسٹیشن والوں نے بشارت دی کہ ہیں تک لوڈنگ بند ہے لمبی تان کر سو جاؤ۔ اب یا وہ گاڑیاں بھی جو ہڑتال کی زد سے بچی ہوئی تھیں ہمارے لئے کالعدم ہو گئیں۔ حساب لگا کر دیکھا کہ ریل کے بجائے ان بنڈلوں کو کھول کھال کر ڈاکخانے سے روانہ کیا جائے تو کیا خرچ آتا ہے۔ جواب نکلا کہ تقریباً پانچ گنا۔ ظاہر ہے یہ بنڈل ایجنٹوں کے لئے تھے اور ایجنٹ پر فاضل خرچ پڑ جائے تو غریب کمائے گا کیا۔ خود ادارہ یہ سارا خرچ اٹھا لیتا اس میں بھی معقولیت نہیں تھی۔ معقولیت اسلئے نہیں تھی کہ گھاس سے یاری کرنے والے گھوڑے زندہ کتنے دن رہ سکتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ بعض اور مظلوموں کی طرح تجلی کو بھی خون کے آنسو رونے پڑیں اور اپیلیں شائع ہوں کہ خدارا اب رقمیں جلدی بھیجو ورنہ ہمارا بیڑا غرق ہو جائے گا۔

آئیے پھر بجلی کی طرف۔

آٹھ دن تو ٹھاٹ باندھ دیئے۔ چوبیسوں گھنٹے چلی آرہی ہے۔ کسی وقت بھاگی بھی تو فوراً ہی لوٹ آئی جیسے کوئی ڈنڈا لئے سر پر کھڑا ہو۔ ہم نے سوچا چاو دیوبند کے دن پھرے۔ اب تجلی بھی وقت پر نکل سکے گا۔ ۸ راگست کو ستمبر کے زیر دست شمارے کی پہلی کاپی چھپنی شروع ہو گئی مگر فلک کج رفتار کو خدا سلامت رکھے۔

پھر وہی ہم ہیں وہی بادیہ پیمائی ہے

اب جب کہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں رفتہ رفتہ مریضہ کا پھر ویسا ہی حال ہوتا جا رہا ہے جیسا پہلے تھا۔ اُنیس بیس کا فرق ہو تو ہو۔ ہمارا دوپہر کا سونا بہر حال ختم مشین کا پہیہ پھر اُسی نہج پر آگیا۔ پتا نہیں دیوبند پھر دیہات میں چلا گیا ہے یا الیکٹرک مشینیں ہی چلتے چلتے تھک گئی ہیں۔ تھکنے تک تو غنیمت ہوگا۔ سستا کر پھر تازہ دم ہو جائینگی مگر بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بوڑھی ہو گئی ہیں۔ بڑھاپے کی شان ہی الگ ہے۔ جوانی بھلا کس کی لوٹی ہے جو ان کی لوٹے گی۔ پھر تو اس ساعتِ سعید کا انتظار کرنا پڑے گا جب وقت کا مغنی پُرسوز آواز میں گائے۔

بس آج چین سے تیمار دار سو جائیں
مریض اب نہ کہے گا کہ سحر نہیں ہوتی

کل کیا ہونا ہے خدا جانے۔ فرعونیت کی یہ نرالی قسم ہے کہ محکمۂ برق کے خداوندانِ نعمت کسی قسم کی وضاحت بھی نہیں کرتے۔ بجلی کم ہو مشینوں میں کرنٹ لگ گیا ہو۔ اور کوئی افتاد پڑی ہو۔ خبر تو دیں کہ بات یوں ہے۔ تو بہ کیجئے۔ ان کی بلا سے کسی پر کچھ بھی گزر جائے۔ نظام اگر ماضی مرحوم کے مطابق کسی پرائیوٹ کمپنی کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ سب ممکن نہ تھا۔ خدا رحم کرے تو میانے کے شوقِ فراواں پر۔ اب نظام سرکارِ عالیہ کے دستِ ناز میں ہے اور بجلی کے صارفین کی حیثیت گاہک کی نہیں ہے بلکہ غلاموں کی ہے جنھیں اچھی طرح جمہوریت کا مزا چکھنا پڑے گا۔

بینک تو میائے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے انھوں نے حکومت کے لئے سونے کے انڈے دینے شروع کر دیئے ہوں مگر ہمیں تو نقد نقصان ہی پہنچا ہے۔ بلٹیوں کی آمد و رفت کے سلسلے میں ہمیں بھی سابقہ پیش آتا رہتا ہے۔ کئی بار ایسے نقصانات پیش آئے جنھیں بینک والوں کی غفلت اور لاپرائی کے سوا کوئی عنوان نہیں دیا جا سکتا۔ فریاد کہاں کریں کس سے کریں۔ ہر ملازم اپنی جگہ بادشاہ ہے۔ ہیڈ کلرک چپراسی کو ڈانٹنے کی ہمت نہیں کر سکتا حالانکہ بعض چپراسیوں کی چلت پھرت کا حال خود ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسے فرشِ مخمل پر جنازے پاؤں چلے جا رہے ہوں۔ منیجر صاحب نام اور

تنخواہ کے اعتبار سے بے شک منیجر ہوں مگر آگے فقط والسلام۔ ڈانٹ ڈپٹ تو دور کی چیز ہے نارمل لہجے میں بھی انھیں عجز و انکسار کی ایکٹنگ کرنی از بسکہ ضروری ہے ورنہ وہ خوب جانتے ہیں کہ عملہ کسی بھی وقت جمہوریت زندہ باد اور آزادی پائندہ باد کے نعرے لگاکر انھیں منیجری کرنا اچھی طرح سکھادے گا!

گیہوں تو مہیا ہو گیا ـــــ برگ و بار مالک کے سامنے ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ تعلیم بھی تو مہیائی جارہی ہے۔ اصطلاحات کے صدقے جائیے۔ سوشلزم، فلاحی ریاست عوامی بہبود، ان کی مار سے عوام کی کمر خم ہے اور ہر دن نیا سورج نئے وسواس و خطرات کو ابھارتا ہوا طلوع ہو رہا ہے۔ عوام بھی کسی سے کم نہیں۔ جب ان میں سے کسی کو کرسی ملتی ہے تو وہ بھی اپنا سارا اگلا پچھلا حساب عوام ہی سے چکاتا ہے۔ دولت عورت، شراب۔ اس پرانے مثلث میں خاندانی منصوبہ بندی والے شوخ تکون کی طرح تازگی اور نئی آب و تاب آرہی ہے۔ مولوی، صوفی، پنڈت، مہاتما سب مفاداتِ عاجلہ اور مال و متاعِ دنیا کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں۔

یہ حالات ایسے تو نہیں کہ آدمی سکون سے اپنا کام جاری رکھ سکے۔ مگر ہم کسی اور طرح سوچتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ رکاوٹیں اور دشواریاں زندگی کا لازمہ ہیں۔ مایوسی کفر ہے۔ پامردی سے جد و جہد میں لگے رہنا ہی ہمارا فریضۂ منصبی ہے۔ نتائج و عواقب مشیت کے اختیار میں ہیں۔ دشواریوں کا آج کل شمار ہی کیا مگر کارسازِ حقیقی تو الاؤ میں بھی گلزار کھلا سکتا ہے دل اس کی مشیت پر صابر و شاکر اور ذہن اس کے فضل و کرم سے خوش امید ہو تو اندھیروں میں بھی کرنوں کی بارش محسوس کی جاسکتی ہے۔ جو کچھ بھی ہمیں کرنا ہے بہرحال اسی چند روزہ زندگی میں کرنا ہے ـــ اب بڑھاپا دروازے کی کنڈی کھٹکھٹا رہا ہے۔ کہاں سے انتظار کا وقت لائیں۔ حالات سُدھرنے کی جلد تو کوئی توقع نہیں۔ جب کبھی سدھرے ہماری ہڈیاں بھی خاک ہو چکی ہوں گی۔ پھر کیوں نہ ہم اُس ملّاح جیسے بن جائیں جو عین طوفان کے آغوش میں ایک شکستہ سی کشتی پر بیٹھا بے فکری کی تانیں اُڑا رہا تھا۔ پوچھا گیا کہ پگلے تم مرنے جارہے ہو۔ کشتی اب ڈوبی اور تب ڈوبی۔ یہ لہلہانا کس خوشی میں؟

ملّاح نے جواب دیا ـــــ موت زندگی کو ایک پل کی مہلت نہیں دیتی۔ پھر زندگی موت کو اپنا ایک بھی لمحہ کیوں دے۔ جب تک میں زندہ ہوں زندگی میری ہے۔ اس کی خوشیاں اس کی ترنگیں اس کی موسیقی میری ہے۔ میں آخری سانس تک اس سے لطف اندوز ہوں گا۔ کشتی ڈوبتی ہے ڈوب جائے۔ میں پہلے ہی سے غم کیوں کروں۔

یہ ہے ہمارا اندازِ فکر۔ لہٰذا نوٹ کیجئے کہ اگلے ماہ پھر ایک خاص نمبر آرہا ہے۔

نظریۂ ارتقاء نمبر ـــــ جی ہاں اگلا ہی شمارہ۔ یہ زیادہ ضخیم تو نہ ہوگا مگر عام شماروں سے ضخیم ہی ہوگا۔ اکتوبر کے اواخر تک اسے ہم منظر عام پر لانے کی کوشش کریں گے۔

نظریۂ ارتقاء ایک خشک فلسفیانہ موضوع ہے۔ لیکن ہم حتی الوسع اسے پانی میں بھگوئیں گے۔ کم سے کم بوریت کی نوبت انشاء اللہ آپ کو نہ آئے گی۔ اپنی عادت کے مطابق دوسرے مضامین بھی اس نمبر میں دیں گے۔ ملّا تو بہرحال جان کا لاگو ہے ہی۔ اسے ہم کبھی کا داغِ مفارقت دے چکے ہوتے مگر ان ہزاروں قارئین کا کیا کریں جنکی دانست میں دسترخوان پر اچار چٹنی کی موجودگی ضروری ہے۔ کبھی کبھی ملّا بہت ہی اوٹ پٹانگ لکھتا ہے لیکن اسکی ناک میں نکیل کون ڈالے۔ جیسے عورتوں کا معاملہ ہے کہ پسلی کے مانند ہیں سیدھی کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ دوگے اسی طرح مُلّا کی تہذیب و تربیت کم سے کم ہمارے بس

کاروگ نہیں۔ جو سنجیدہ حضرات اس کی بکواس کو دامنِ
تجلّی کا داغ سمجھتے ہیں وہ اگر اسے گولی ماردیں تو ہم انکے
ممنون ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ رشتے کی باریکیوں کی
وجہ سے "خس کم جہاں پاک" پھر بھی نہ کہہ سکیں گے۔

آج ۲۵ راگست ہوگئی۔ ریلوے نے اب بھی بنڈل
لینے سے انکار کردیا۔ اُن مقامات کا لوڈنگ کھلا ہی نہیں
جہاں یہ بنڈل جاتے ہیں۔ اب سوائے اس کے کیا ہوگا
کہ ادارہ ڈاک خانے کا پانچ گنا محصول برداشت کرے
اور مواصلات کے محکمے کو پانی پی پی کر دعائیں دے۔

بعض سنجیدہ قارئین پسند نہیں کرتے کہ "آغازِ سخن"
کے اہم کالم میں ایسے بوگس اور ذاتی موضوعات چھیڑے
جائیں۔ ہم ان کی سنجیدگی کو مرحبا کہتے ہیں۔ مگر وہ اس حقیقت
کو نظر انداز نہ فرمائیں کہ ادارۂ تجلّی اور قارئینِ تجلّی ملکر
ایک کنبہ بناتے ہیں اور کنبے کے ہر فرد کا حق ہے کہ ایک
دوسرے کے ضروری حالات سے باخبر رہے۔ اتنے ہزار
شائقین کو تجلّی کے انتظارِ شدید کی تکلیف برداشت کرنی
پڑتی ہے۔ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر و بیشتر۔ انھیں کم سے کم یہ بتانا
تو ہمارا فرض ہے ہی کہ اس تکلیف کی ذمہ داری ہماری
غفلت یا تساہل پر نہیں بلکہ ان حالات و حوادث پر ہے
جنھیں ہم اور آپ شائستہ الفاظ میں "مشیّتِ ایزدی"
کہتے ہیں۔

شکر ہے آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ انتظار کے
بعد جو شمارہ قارئین کو ملا ہو اس نے سارا ملال اور ساری
کوفت نہ دھودی ہو۔ ایں ہم بسا غنیمت است۔ اللہ کے
خصوصی فضل و کرم کا شکر کن لفظوں میں ادا کیجئے۔ چوبیس
سال ہونے کو آئے۔ نہ کوئی خریدار پیسے مارتا ہے نہ کوئی
ایجنٹ بددیانتی کرتا ہے۔ اس طویل عرصے میں چار پانچ
ہزار کی اونچ نیچ ہوئی ہو تو وہ قابلِ ذکر نہیں۔ اسکے پیچھے
بھی کسی کی بے ایمانی کارفرما نہیں رہی۔ بس حوادث،
آفات اور اتفاقات کے تحت کچھ لوگوں سے ماوجب کی
ادائگی نہ ہوسکی۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ خوفناک منزل
بہرحال خدائے رؤف ورحیم نے تجلّی پر کبھی آنے نہیں دی
کہ وہ نادہندہ ایجنٹوں اور خریداروں کے سلسلے میں آہ و بکا
پر مجبور ہو۔ الحمدللہ فالحمدللہ۔ اور تحدیثِ نعمت کے طور
پر یہ بھی سن لیجئے کہ باوجود ضرورت محسوس کرنے کے وہ
تصویر والے اشتہارات اور فیملی پلاننگ یا بینک اور
سودی قرضوں سے متعلق اشتہارات کو برملا رد کرتا رہا ہے
اور خود حکومت کی طرف سے اشتہار کی پیشکش کے سلسلے میں
آنے والے مکتوب کا جواب صاف صاف لکھدیا گیا ہے کہ مذکور
قسم کا کوئی اشتہار قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسے شیخی یا صالحیت کی نمائش کا نام نہ دیجئے صالحیت
کجا اور ہم جیسا گناہگار کجا لیکن پڑھا ہے کہ پچھلے زمانے میں
چور اور ڈاکو بھی کچھ اصول رکھتے تھے۔ تو کیا ہم چوروں اور
ڈاکوؤں سے بھی گر جائیں کہ کوئی اصول ہی نہ ہو۔ بعض
کرم فرما کہتے ہیں کہ تم جس جماعت کے گیت گاتے ہو اسی
سے متعلق بعض پرچے تصویریں چھاپنے لگے ہیں اور "دعوت"
تک میں فیملی پلاننگ کا اشتہار آچکا ہے۔ ان کو ہمارا جواب
پہلے بھی یہی تھا اور مرتے دم تک انشاء اللہ یہی رہے گا کہ
اپنی جواب دہی ہر شخص کو خود کرنی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان
حضرات کو جواز کی کوئی دلیل مل گئی ہو اور قیامت کے دن
خدا کو یہ "قائل" کرسکیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس
عبادت و ریاضت اور حسنِ عمل کا سرمایہ اتنا زیادہ ہو کہ
وہ یوم الحساب سے مطمئن ہوگئے ہوں۔ پھر بھلا ہم جیسا خطا
کار اور عبدِ ذلیل ان کی حرص کس بوتے پر کرے گا۔ انھیں
ان کی صواب دید اور طرزِ فکر مبارک۔ ہم بہرحال طے کرچکے
ہیں کہ اصول و عقائد کی قیمت پر پیسہ حاصل نہیں کریں گے
چاہے روکھی سوکھی پر بسر اوقات کی نوبت آجائے۔

مری نظر میں وہی سر ہے سر، جسے عامر
زمانہ کاٹ تو ڈالے مگر جھکا نہ سکے

تمام حمد اللہ ہی کیلئے ہے اور وہی ہے جو اپنے فضل سے

عزم وحوصلہ عطا فرماتا ہے۔ ورنہ مٹھی بھر ہڈیوں کا ڈھیر — انسان — ہے ہی کیا — ہوائے تند کا ایک ہی جھونکا اسے خشک پتّے کی طرح ہوا میں اُڑا سکتا ہے۔

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ	پھر انسان نظر تو ڈالے کہ وہ کس
خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ	چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ محض ایک
دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ	(حقیر) اچھلنے والے قطرۂ آب سے
الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔	جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے

دفتری خط وکتابت میں اپنا خریداری نمبر نہ بھولا کریں ورنہ ممکن ہے دفتر سے جواب میں تاخیر ہو اور آپ کے کسی حکم کی تعمیل دشوار ہو جائے۔
آپکا خریداری نمبر آپ کے پتے کی چٹ پر درج ہوتا ہے اسے کہیں نوٹ فرما لیجئے۔ (منیجر)

متکلمین "مجرموں" کے کٹہرے میں

دہلی کے سہ ماہی اسلام وعصر جدید کے جولائی نمبر میں ایک جدید مفکر اعلیٰ نے ایک سلجھا ہوا بڑی حد تک متوازن ومعتدل مقالہ "علم کلام کی حقیقت" پر سپرد قلم کیا ہے۔ مگر اس کے آخری حصہ میں ایک مشہور ومعروف فاضل کے قلم سے عبارت نقل کر کے متکلمین پر خاصی لے دے کی ہے اور اپنی طرف سے کوئی بھی دفاع متکلمین کی طرف سے نہیں کیا ہے متکلمین کی تنقید بلکہ تنقیص کی بنیاد اس عبارت پر ہے :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور جس زمانے میں ہوا۔ روم ومصر وشام وایران میں یہ فلسفیانہ علوم اور الٰہیات کے تشکیک وشبہات پورے کے پورے موجود تھے مگر ان کی اصلاح علم کلام کی ایجاد سے نہیں کی گئی بلکہ قوتِ ایمان اور حسن عمل کی زندہ مثالوں نے ان تشکیک وشبہات کا پردہ چاک کر دیا۔"

لیکن انھیں بزرگ سے جو تاریخ کے فاضل خصوصی تھے اس بندہ ہی کا سوال ہے یہ فلسفیانہ تشکیک وشبہات اور سوء اور سفسطے روم ومصر یونان وایران، چین وجاپان دنیا کے جس خطے میں بھی ہوں عہد رسالت میں عرب میں کہاں تھے؟ حجاز ونجد ویمن کے کس صحابی رضی کے دل میں شمہ برابر بھی تھے؟۔

ظاہر ہے کہ جب تک صحت اچھی ہے انسان کو دوا و علاج کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ تو جب انسان بیمار پڑتا ہے۔ جب علاج معالجہ کی طرف ذہن جاتا ہے۔ آفتاب کی روشنی میں قندیل ولالٹین کی ضرورت کس کو پڑی ہے۔ یہ تو جب تاریکی ہو لیتی ہے تب شمع بھی بہت غنیمت معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو صحابہ رضی کا پورا دور بلکہ خلفائے بنی امیہ کا بھی دور گذر نے بلکہ خلفائے عباسیہ کے بھی ابتدائی دور کے گذر جانے کے بعد جب یونانی کتابوں کے ترجمے عربی میں ہوئے جب جا کر تشکیک وشبہات کا فتنہ اُمت کے اندر پیدا ہوا اور جبھی ضرورت، تاریکی کے لئے روشنی کی اور بیماری کے لئے علاج کی پڑی۔ محدثین، فقہاء، زہاد وعُبّاد اس فن سے نا آشنا ہونے کے باعث اس ضرورت کے لئے محض بیکار تھے — آخر متکلمین ہی آڑے آئے اور انھوں نے دین ومذہب کی طرف سے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ اس لئے وہ داد وتحسین کے مستحق ہیں نہ کہ مذمت وہجو کے۔ اور ہمارے محترم وملّت کے معظم قلم اگر غلبۂ خشیت سے اتنا مغلوب الحال نہ ہو گئے ہوتے تو وہ خود یہی کرتے اور ہم سب سے بڑھ کر کرتے۔ (صدق جدید۔ لکھنؤ)

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی اسے اپنی ذات اور گھر پر خرچ کرے تو برکت سے خالی ہوگا۔ اگر چھوڑ کر مرے تو جہنم کیلئے زاد راہ بنے گا۔ (حدیث)

مومن وہ ہے جو خوشی کے موقع پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف اور مصیبت کے موقع پر صبر ورضا سے کام لیتا ہے۔ (حدیث)

از۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

تفہیم القرآن

سورۂ مزّمّل

نام پہلی ہی آیت کے لفظ المزّمّل کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ یہ صرف نام ہے، اس کے مضامین کا عنوان نہیں ہے۔

زمانۂ نزول اس سورۃ کے دو رکوع دو الگ زمانوں میں نازل ہوئے ہیں۔

پہلا رکوع بالاتفاق مکی ہے اس کے مضامین اور احادیث کی روایات دونوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ مکی زندگی کے کس دور میں نازل ہوا ہے۔ اس کا جواب ہمیں روایات سے تو نہیں ملتا، لیکن اس رکوع کے مضامین کی داخلی شہادت اس کا زمانہ متعین کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

اوّلاً اس میں رسول اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کریں تاکہ آپ کے اندر نبوت کے بارِ عظیم کو اٹھانے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضورؐ کی نبوت کے ابتدائی دور ہی میں نازل ہوا ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس منصب کے لئے آپ کی تربیت کی جا رہی تھی۔

ثانیاً، اس میں حکم دیا گیا ہے کہ نمازِ تہجّد میں آدھی آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ یہ ارشاد خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت قرآن مجید کا کم از کم اتنا حصّہ نازل ہو چکا تھا کہ اس کی طویل قرأت کی جا سکے۔

ثالثاً، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی زیادتیوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفارِ مکہ کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رکوع اس زمانے میں نازل ہوا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی علانیہ تبلیغ شروع کر چکے تھے اور مکہ میں آپ کی مخالفت زور پکڑ چکی تھی۔

دوسرے رکوع کے متعلق اگرچہ بہت سے مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی مکہ ہی میں نازل ہوا ہے لیکن بعض دوسرے مفسرین نے اسے مدنی قرار دیا ہے اور اس رکوع کے مضامین سے اِسی خیال کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں اس کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا اور اس میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ زکوٰۃ ایک مخصوص شرح اور نصاب کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔

موضوع اور مضامین | پہلی سات آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جس کارِ عظیم کا بار آپ پر ڈالا گیا ہے اس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے آپ اپنے آپ کو تیار کریں اور اُس کی عملی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ راتوں کو اٹھ کر آپ آدھی آدھی رات، یا اس سے کچھ کم و بیش نماز پڑھا کریں۔

آیت ۸ سے ۱۴ تک حضورؐ کو تلقین کی گئی ہے کہ سب سے کٹ کر اُس خدا کے ہو رہیں جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ اپنے سارے معاملات اسی کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائیں۔ مخالفین جو باتیں آپ کے خلاف بنا رہے ہیں ان پر صبر کریں، اُن کے منھ نہ لگیں اور ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں کہ وہی اُن سے نمٹ لے گا۔

اس کے بعد آیات ۱۵ سے ۱۹ تک مکہ کے اُن لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے متنبہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اُسی طرح تمھاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف بھیجا تھا، پھر دیکھ لو کہ جب فرعون نے اللہ کے رسول کی بات نہ مانی تو وہ کس انجام سے دوچار ہوا۔ اگر فرض کر لو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ آیا تو قیامت کے روز تم کفر کی سزا سے کیسے بچ نکلو گے؟

یہ پہلے رکوع کے مضامین ہیں۔ دوسرا رکوع حضرت سعید بن جُبیرؓ کی روایت کے مطابق اُس کے دس سال بعد نازل ہوا اور اس میں نمازِ تہجد کے متعلق اُس ابتدائی حکم کے اندر تخفیف کر دی گئی جو پہلے رکوع کے آغاز میں دیا گیا تھا۔ اب یہ حکم دیا گیا کہ جہاں تک تہجد کی نماز کا تعلق ہے وہ تو جتنی بآسانی پڑھی جا سکے پڑھ لیا کرو، لیکن مسلمانوں کو اصل اہتمام جس چیز کا کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ پنج وقتہ فرض نماز پوری پابندی کے ساتھ قائم رکھیں، فریضۂ زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خلوصِ نیت کے ساتھ صرف کریں۔ آخر میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ جو بھلائی کے کام تم دنیا میں انجام دو گے وہ ضائع نہیں جائیں گے بلکہ ان کی حیثیت اُس سامان کی سی ہے جو ایک مسافر اپنی مستقل قیام گاہ پر پہلے سے بھیج دیتا ہے۔ اللہ کے یہاں پہنچ کر تم وہ سب کچھ موجود پاؤ گے جو دنیا میں تم نے آگے روانہ کیا ہے اور یہ پیشگی سامان نہ صرف یہ کہ اُس سامان سے بہت بہتر ہے جو تمھیں دنیا ہی میں چھوڑ جانا ہے بلکہ اللہ کے یہاں تمھیں اپنے بھیجے ہوئے اصل مال سے بڑھ کر بہت بڑا اجر بھی ملے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے[۵۰] رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم[۵۲]، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو[۵۳]۔ اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھو[۵۴]۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل

۵۱ ان الفاظ کے ساتھ حضورؐ کو مخاطب کرنے اور پھر یہ حکم دینے سے کہ آپ اٹھیں اور راتوں کو عبادت کیلئے کھڑے رہا کریں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت یا تو آپ سو چکے تھے یا سونے کیلئے چادر اُوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ اس موقع پر آپکو اے نبیؐ یا اے رسول کہہ کر خطاب کرنے کے بجائے "اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے" کہہ کر پکارنا ایک لطیف انداز خطاب ہے جس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اب وہ دور گذر گیا جب آپ آرام سے پاؤ پھیلا کر سوتے تھے۔ اب آپ پر ایک کارِ عظیم کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے جس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔

۵۲ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ رات نماز میں کھڑے رہ کر گذارو اور اس کا کم حصّہ سونے میں صرف کرو۔ دوسرا یہ کہ پوری رات نماز میں گذار دینے کا مطالبہ تم سے نہیں ہے بلکہ آرام بھی کرو اور رات کا ایک قلیل حصّہ عبادت میں بھی صرف کرو۔ لیکن آگے کے مضمون سے پہلا مطلب ہی زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور اسی کی تائید سورۂ دہر کی آیت ۲۶ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا۔ "رات کو اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو اور رات کا طویل حصّہ اُس کی تسبیح کرتے ہوئے گذارو۔"

۵۳ یہ اُس مقدارِ وقت کی تشریح ہے جسے عبادت میں گذارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس میں آپؐ کو اختیار دیا گیا کہ خواہ آدھی رات نماز میں صرف کریں یا اس سے کچھ کم دیں، یا اس سے کچھ زیادہ۔ لیکن اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قابلِ ترجیح آدھی رات ہے، کیونکہ اُسی کو معیار قرار دے کر کمی و بیشی کا اختیار دیا گیا ہے۔

۵۴ یعنی تیز تیز رواں دواں نہ پڑھو، بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھیرو تاکہ ذہن پوری طرح کلامِ الٰہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اسکے مضامین سے متأثر ہو۔ کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اسکی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو۔ کہیں اسکی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ تشکر سے لبریز ہو جائے۔ کہیں اسکے غضب اور اسکے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو۔ کہیں کسی چیز کا حکم ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے تو سمجھا جائے کہ کس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ غرض یہ قرأت محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کر دینے کیلئے نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبر کے ساتھ ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا طریقہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ آپ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ مثال کے طور پر انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر بتایا کہ آپ اللہ، رحمان اور رحیم کو مد کیساتھ پڑھا کرتے تھے (بخاری)۔ حضرت ام سلمہؓ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ حضورؐ ایک ایک آیت کو الگ الگ پڑھتے اور ہر آیت پر ٹھیرتے جاتے تھے مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر رُک جاتے، پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر ٹھیرتے اور اسکے بعد رُک کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہتے۔ (مسند احمد، ابوداؤد۔ ترمذی) دوسری ایک روایت میں حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضورؐ ایک ایک لفظ واضح طور پر پڑھا کرتے تھے (ترمذی۔ نسائی)۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضورؐ کے ساتھ کھڑا ہوگیا تو آپ کی قرأت کا یہ انداز دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقع آتا وہاں تسبیح فرماتے، جہاں دعا کا موقع آتا وہاں دعا مانگتے، جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے (مسلم۔ نسائی) حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کی نماز میں جب حضورؐ اس مقام پر پہنچے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ

کرنے والے ہیں۔ ۵۴ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن پڑھنے کیلئے زیادہ موزوں ہے ۵۵۔ دن کے اوقات میں تو تمہارے لئے بہت مصروفیات ہیں۔ اپنے رب کے نام کا

اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (اگر تو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرمادے تو تو غالب اور دانا ہے) تو اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی (مسند احمد، بخاری)۔

۵۵ مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا یہ حکم اس لئے دیا جارہا ہے کہ ایک بھاری کلام ہم تم پر نازل کر رہے ہیں جس کا بار اٹھانے کے لئے تم میں اس کے تحمل کی طاقت پیدا ہونی ضروری ہے اور یہ طاقت تمہیں اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کیلئے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم و بیش عبادت میں گذارا کرو۔ قرآن کو بھاری کلام اس بنا پر بھی کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت کو لیکر ساری دنیا کے مقابلے میں اٹھنا اور اس کے مطابق عقائد و افکار، اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اس بنا پر اس کو بھاری کلام کہا گیا ہے کہ اسکے نزول کا تحمل بڑا دشوار کام تھا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپ اپنا زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے زانو پر اس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹ جائیگا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے زمانے میں حضورؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے، آپ کی پیشانی سے اس وقت پسینہ ٹپکنے لگتا تھا (بخاری، مسلم، مالک، ترمذی، نسائی) ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب کبھی آپ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ اونٹنی پر بیٹھے ہوں تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیتی تھی اور اس وقت تک حرکت نہ کر سکتی تھی جب تک نزولِ وحی کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا (مسند احمد، حاکم، ابن جریر)۔

۵۶ اصل میں لفظ نَاشِئَةَ الَّیْلِ استعمال کیا گیا ہے جس کے متعلق مفسرین اور اہلِ لغت کے چار مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ناشئہ سے مراد نفسِ ناشئہ ہے، یعنی وہ شخص جو رات کو اٹھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رات کے اوقات ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں رات کو اٹھنا۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق محض رات کو اٹھنے پر نہیں ہوتا بلکہ سو کر اٹھنے پر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اور مجاہدؒ نے اسی چوتھے قول کو اختیار کیا ہے۔

۵۷ اصل میں لفظ اَشَدُّ وَطْأً استعمال ہوا ہے جسکے معنی میں اتنی وسعت ہے کہ کسی ایک فقرے میں اسے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ رات کو عبادت کیلئے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت کے خلاف ہے اور نفس اسوقت آرام کا مطالبہ کرتا ہے اسلئے یہ فعل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ اس طریقے سے جو شخص اپنے آپ قابو پالے اور اپنے جسم و ذہن پر تسلط حاصل کر کے اپنی اس طاقت کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے پر قادر ہو جائے وہ زیادہ مضبوطی کیساتھ دینِ حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کیلئے کام کر سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دل اور زبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا بڑا مؤثر ذریعہ ہے کیونکہ رات کے ان اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا اور اس حالت میں آدمی جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ اسکے دل کی آواز ہوتی ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی کے ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے، کیونکہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبادت کیلئے اٹھیگا وہ لامحالہ اخلاص ہی کی بنا پر ایسا کریگا، اسمیں ریاکاری کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت چونکہ دن کی عبادت کی بہ نسبت آدمی پر زیادہ گراں ہوتی ہے اسلئے اس کا التزام کرنے سے آدمی میں بڑی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے وہ خدا کی راہ میں زیادہ مضبوطی کیساتھ چل سکتا ہے اور اس راہ کی مشکلات کو زیادہ استقامت کیساتھ برداشت کر سکتا ہے۔

۵۸ اصل میں اَقْوَمُ قِیْلًا ارشاد ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہیں "قول کو زیادہ راست اور درست بناتا ہے"۔ لیکن مدعا یہ ہے کہ

ذکر کیا کرو[۹] اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ لہٰذا اُسی کو اپنا وکیل بنا لو[۱۰]۔ اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ[۱۱]۔ اِن جھٹلانے والے خوش حال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو[۱۲] اور انھیں ذرا کچھ دیر اسی حالت پر رہنے دو۔ ہمارے پاس (ان کے لئے) بھاری بیڑیاں ہیں[۱۳] اور بھڑکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنسنے

اُس وقت انسان قرآن کو زیادہ سکون و اطمینان اور توجہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھ سکتا ہے۔ ابنِ عباسؓ اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ اجدر ان یفقہ فی القرآن۔ یعنی "وہ اس کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ آدمی قرآن میں غور و خوض کرے" (ابوداؤد)

ف۹ دن کے اوقات کی مصروفیتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد کہ "اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو"۔ خود بخود یہ مفہوم ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں ہر طرح کے کام کرتے ہوئے بھی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہو (تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۶۳)

ف۱۰ وکیل اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کر کے کوئی شخص اپنا معاملہ اُس کے سپرد کر دے۔ قریب قریب اسی معنی میں ہم اُردو زبان میں وکیل کا لفظ اُس شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں جس کے حوالہ اپنا مقدمہ کر کے ایک آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے وہ اچھی طرح مقدمہ لڑے گا اور اسے خود اپنا مقدمہ لڑنے کی حاجت نہ رہے گی۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی دعوت پیش کرنے پر تمہارے خلاف مخالفتوں کا جو طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور جو مشکلات تمھیں پیش آ رہی ہیں ان پر کوئی پریشانی تم کو لاحق نہ ہونی چاہیئے۔ تمھارا رب وہ ہے جو مشرق و مغرب، یعنی ساری کائنات کا مالک ہے، جس کے سوا خدائی کے اختیارات کسی کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ تم اپنا معاملہ اُسی کے حوالے کر دو اور مطمئن ہو جاؤ کہ اب تمھارا مقدمہ وہ لڑے گا، تمھارے مخالفین سے وہ نمٹے گا اور تمھارے سارے کام وہ بنائے گا۔

ف۱۱ الگ ہو جاؤ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے مقاطعہ کر کے اپنی تبلیغ بند کر دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منھ نہ لگو، ان کی بیہودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو، اور ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو۔ پھر یہ احتراز بھی کسی غم اور غصّے اور جھنجلاہٹ کے ساتھ نہ ہو، بلکہ اُس طرح کا احتراز ہو جس طرح ایک شریف آدمی کسی بازاری آدمی کی گالی سُن کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور دل پر میل تک نہیں آنے دیتا۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل کچھ اس سے مختلف تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو یہ ہدایت فرمائی۔ اصل میں تو آپ پہلے ہی سے اِسی طریقے پر عمل فرما رہے تھے، لیکن قرآن میں یہ ہدایت اس لئے دی گئی کہ کفار کو بتا دیا جائے کہ تم جو حرکتیں کر رہے ہو ان کا جواب نہ دینے کی وجہ کمزوری نہیں ہے بلکہ اللہ نے ایسی باتوں کے جواب میں اپنے رسول کو یہی شریفانہ طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

ف۱۲ اِن الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکہ میں دراصل جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے تھے اور طرح طرح کے فریب دیکر اور تعصبات اُبھار کر عوام کو آپ کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے وہ قوم کے کھاتے پیتے، پیٹ بھرے، خوشحال لوگ تھے۔ کیونکہ انہی کے مفاد پر اسلام کی اِس دعوتِ اصلاح کی زد پڑ رہی تھی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیساتھ خاص نہ تھا بلکہ ہمیشہ یہی گروہ اصلاح کی راہ روکنے کیلئے سنگِ گراں بنکر کھڑا ہوتا رہا ہے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو الاعراف، آیات ۶۰-۶۶-۷۵-۸۸-المومنون ۳۳-سبا ۳۴-۳۵-الزخرف ۲۳۔

ف۱۳ جہنم میں بھاری بیڑیاں مجرموں کے پاؤں میں اس لئے نہیں ڈالی جائیں گی کہ وہ بھاگ نہ سکیں، بلکہ اس لئے ڈالی

والا کھانا اور دردناک عذاب۔ یہ اُس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہوجائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں[۱۵]۔

تم لوگوں[۱۶] کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے[۱۶] جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب) فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کروگے تو اُس دن کیسے بچ جاؤگے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا[۱۷] اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے۔

اے نبی[۱۸]، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی

جائیں گی کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔ یہ فرار سے روکنے کے لئے نہیں بلکہ عذاب کے لئے ہوں گی۔

۱۵ چونکہ اُس وقت پہاڑوں کے اجزاء کو باندھ کر رکھنے والی کشش ختم ہوجائے گی، اس لئے پہلے تو وہ باریک بھربھری ریت کے ٹیلے بن جائیں گے، پھر جو زلزلہ زمین کو ہلا رہا ہوگا اس کی وجہ سے یہ ریت بکھر جائے گی اور ساری زمین ایک چٹیل میدان بن جائے گی۔ اسی آخری کیفیت کو سورۂ طٰہٰ، آیات ۱۰۵ تا ۱۰۷ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان پہاڑوں کا کیا بنے گا۔ کہو، میرا رب ان کو دھول بنا کر اڑا دے گا اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں تم کوئی بل اور سلوٹ نہ دیکھو گے"۔

۱۶ اب مکہ کے اُن کفار کو خطاب کیا جا رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے تھے اور آپ کی مخالفت میں سرگرم تھے۔

۱۶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر گواہ بنا کر بھیجنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ دنیا میں اُن کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق کی شہادت دیں، اور یہ بھی کہ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت برپا ہوگی اُس وقت آپ یہ گواہی دیں کہ میں نے اِن لوگوں کے سامنے حق پیش کر دیا تھا (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اوّل، البقرہ، حاشیہ ۱۴۴۔ النساء، حاشیہ ۶۴۔ جلد دوم، النحل، آیات ۸۴ و ۸۹۔ جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۸۲۔ جلد پنجم، الفتح، حاشیہ ۱۴)۔

۱۷ یعنی اوّل تو تمہیں ڈرنا چاہئے کہ اگر ہمارے بھیجے ہوئے رسول کی بات تم نے نہ مانی تو وہ بُرا انجام تمہیں دنیا ہی میں دیکھنا ہوگا جو فرعون اس سے پہلے اِسی جرم کے نتیجے میں دیکھ چکا ہے۔ لیکن اگر فرض کرو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ بھی بھیجا گیا تو روزِ قیامت کے عذاب سے کیسے بچ نکلو گے؟

۱۸ یہ آیت جس کے اندر نمازِ تہجد کے حکم میں تخفیف کی گئی ہے اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے مسند احمد، مسلم اور ابوداؤد میں یہ روایت منقول ہے کہ پہلے حکم کے بعد یہ دوسرا حکم ایک سال کے بعد نازل ہوا اور رات کا قیام فرض سے نفل کر دیا گیا۔ دوسری روایت حضرت عائشہ ہی سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے یہ نقل کی ہے کہ یہ حکم پہلے حکم کے ۸ مہینہ بعد آیا تھا اور ایک تیسری روایت جو ابن ابی حاتم نے انھی سے نقل کی ہے اس میں سولہ مہینے بیان کئے گئے ہیں۔ ابوداؤد، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک سال کی مدت نقل کی ہے۔ لیکن حضرت سعید بن جُبیر کا بیان ہے کہ اس کا نزول دس سال بعد ہوا ہے (ابن جریر و ابن ابی حاتم)، ہمارے نزدیک یہی قول

ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو[۱۹]، اور تمھارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے[۲۰]۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے، اُسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے، لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی، اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو[۲۱]۔ اُسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے، کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں[۲۲] اور کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں[۲۳]۔ پس جتنا قرآن بآسانی پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔ نماز

زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے پہلے رکوع کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں نازل ہوا ہے اور وہاں بھی اُس کا نزول ابتدائی دور میں ہوا ہے جبکہ حضورؐ کی نبوت کا آغاز ہونے پر زیادہ سے زیادہ چار سال گذرے ہوں گے۔ بخلاف اس کے یہ دوسرا رکوع اپنے مضامین کی صریح شہادت کے مطابق مدینہ کا نازل شدہ معلوم ہوتا ہے جب کفار سے جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی آچکا تھا۔ اس بنا پر لامحالہ ان دونوں رکوعوں کے زمانۂ نزول میں کم از کم دس سال کا فاصلہ ہی ہونا چاہیئے۔

۱۹ھ اگرچہ ابتدائی حکم آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش کھڑے رہنے کا تھا، لیکن چونکہ نماز کی محویت میں وقت کا اندازہ نہ رہتا تھا اور گھڑیاں بھی موجود نہ تھیں کہ اوقات ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکیں، اس لئے کبھی دو تہائی رات تک عبادت میں گذر جاتی تھی اور کبھی یہ مدت گھٹ کر ایک تہائی رہ جاتی تھی۔

۲۰ھ ابتدائی حکم میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب کیا گیا تھا اور آپ ہی کو قیام لیل کی ہدایت فرمائی گئی تھی لیکن مسلمانوں میں اُس وقت حضورؐ کے اتباع اور نیکیاں کمانے کا جو غیر معمولی جذبہ پایا جاتا تھا اس کی بنا پر اکثر صحابۂ کرام بھی اس نماز کا اہتمام کرتے تھے۔

۲۱ھ چونکہ نماز میں طول زیادہ تر قرآن کی طویل قرأت ہی سے ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ تہجد کی نماز میں جتنا قرآن بسہولت پڑھ سکو پڑھ لیا کرو، اس سے نماز کی طوالت میں آپ سے آپ تخفیف ہو جائے گی۔ اس ارشاد کے الفاظ اگرچہ بظاہر حکم کے ہیں، لیکن یہ امر متفق علیہ ہے کہ تہجد فرض نہیں بلکہ نفل ہے۔ حدیث میں بھی صراحت ہے کہ ایک شخص کے پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا کیا اس کے سوا بھی کوئی چیز مجھ پر لازم ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا "نہیں، الا یہ کہ تم اپنی خوشی سے کچھ پڑھو" (بخاری و مسلم)

اس آیت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز میں جس طرح رکوع و سجود فرض ہیں اسی طرح قرآن مجید کی قرأت بھی فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسرے مقامات پر رکوع یا سجود کے الفاظ استعمال کر کے نماز مراد لی ہے اسی طرح یہاں قرآن قرأت کا ذکر کیا ہے اور مراد اس سے نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ اس استنباط پر اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب نمازِ تہجد خود نفل ہے تو اسمیں قرآن پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نماز بھی جب آدمی پڑھے تو اس میں نماز کی تمام شرائط پوری کرنا اور اسکے تمام ارکان و فرائض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ نفل نماز کے لئے کپڑوں کی طہارت، جسم کا پاک ہونا، وضو کرنا اور ستر چھپانا واجب نہیں ہے، اور اسمیں قیام و قعدہ اور رکوع و سجود بھی نفل ہی ہیں۔

۲۲ھ جائز اور حلال طریقوں سے رزق کمانے کیلئے سفر کرنے کو قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۳ھ یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے اور بیماری کی مجبوری

قائم کرو، زکوٰۃ دو[۲۴] اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو[۲۵]۔ جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجوگے اسے اللہ کے یہاں موجود پاؤگے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے[۲۶]۔ اللہ سے مغفرت مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا غفور و رحیم ہے ؏

ے علاوہ اِن دونوں کاموں کو نمازِ تہجد سے معافی یا اس میں تخفیف کا سبب قرار دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقوں سے روزی کمانے کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من جالبٍ یجلبُ طعامًا الیٰ بلدٍ من بلدان المسلمین فیبیعہ لِسعرِ یومہ الا کانت منزلتہٗ عند اللہ ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآخرون یضربون فی الارض...... "جو شخص مسلمانوں کے کسی شہر میں غلّہ لے کر آیا اور اُس روز کے بھاؤ پر اسے بیچ دیا اس کو اللہ کا قرب نصیب ہوگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی" (ابن مردویہ) حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا ما من حالٍ یاتینی علیہ الموت بعد الجہاد فی سبیل اللہ احبّ الیّ من ان یاتینی وانا بین شعبتی جبلٍ التمس من فضل اللہ وقرأ ھٰذہ الآیۃ۔ "جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درّے سے گذر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آجائے پھر انھوں نے یہی آیت پڑھی" (بیہقی فی شعب الایمان)

۲۴؎ مفسّرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد پنج وقتہ فرض نماز اور فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

۲۵؎ ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرنا ہے خواہ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہو، یا بندگانِ خدا کی مدد ہو یا رفاہِ عام ہو، یا دوسرے بھلائی کے کام۔ اللہ کو قرض دینے اور اچھا قرض دینے کے مطلب کی تشریح ہم اس سے پہلے متعدد مقامات پر کرچکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، البقرہ، حاشیہ ۲۶۷۔ المائدہ، حاشیہ ۳۳۔ جلد پنجم، الحدید، حاشیہ ۱۶۔

۲۶؎ مطلب یہ ہے کہ تم نے آگے اپنی آخرت کے لئے جو کچھ بھیج دیا وہ تمھارے لئے اُس سے زیادہ نافع ہے جو تم نے دنیا ہی میں روک رکھا اور کسی بھلائی کے کام میں اللہ کی رضا کی خاطر خرچ نہ کیا۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایکم مالہ احب الیہ من مال وارثہ؟ "تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ فرمایا اعلموا ما تقولون۔ "سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا حال واقعی یہی ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا انما مال احدکم ما قدّم ومال وارثہ ما اخّر۔ "تمھارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دیا اور جو کچھ تم نے روک کر رکھا وہ تو وارث کا مال ہے۔" (بخاری، نسائی، مسند ابویعلیٰ)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور انکی فقہ اُردو زبان میں پہلی بار ایک عمدہ اور جامع کتاب جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ پر لکھی گئی سوانح اور حالات۔ غیر مجلد کی قیمت — سات روپے۔

فتوح الغیب شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے وہ فرمودات جن کا مطالعہ دل و دماغ کو منور کرتا ہے۔ حقائق و اسرار اور رموز و معارف عام فہم زبان میں۔ قیمت مجلد — تین روپے ۵۵/۳ پیسے۔

معروف و منکر دین میں کیا چیز بھلی ہے اور کیا بری۔ اس موضوع پر بڑے دلآویز انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت مجلد — پانچ روپے۔

تزکیۂ نفس تزکیہ کی اصل، اس کے علمی و عملی اقسام۔ اس کے حصول کی صورتیں۔ اسکی اہمیت و ضرورت ہر اس شخص کے لئے رہنما جو اپنے نفس کا تزکیہ چاہتا ہے۔ قیمت — ساڑھے چھ روپے۔

سَو بڑے آدمی جیساکہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب تاریخ کے سَو بڑے آدمیوں کا مختصر تعارف کراتی ہے۔ دلچسپ اور معلومات سے بھر۔ قیمت — ساڑھے تین روپے۔

صفائی معاملات جیساکہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں مولانا اشرف علیؒ نے معاملات کی صفائی کے شرعی طور طریق بیان فرمائے ہیں۔ بڑے کام کا رسالہ ہے۔ قیمت صرف — ۴۰ پیسے۔

ردِّ عقائد بدعیہ بعض رواج یافتہ بدعات و شرکیات کا مکمل رد۔ بشریتِ انبیاء اور علم غیب وغیرہ کی نفیس بحثیں۔ قیمت — دو روپے۔

معارف 'سلیمان نمبر' مولانا سید سلیمان ندویؒ کے احوال و کوائف اور تذکرہ و تعارف پر یہ نمبر بہت شاندار ہے۔ قیمت — پانچ روپے۔

مسجد سے میخانے تک یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ابن العرب مکی کے شہ پاروں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے پڑھنا بھی لطف سے خالی نہیں۔ ان میں تبسم کی چاندنی اور طنز کی نمکینی ہی نہیں افادیت بھی ہے۔ ملا فقط طنز برائے طنز اور مزاح برائے مزاح پر بس نہیں کرتا وہ کسی نہ کسی اخلاقی مقصد پر بھی آپ کی توجہ منعطف کراتا ہے۔ قیمت حصہ اوّل — چھ روپے۔ حصہ دوم — چھ روپے ۵ پیسے۔

کیا اجماعِ امت اسلامی حق پر ہے! دنیا بھر کے علماء و فضلاء کے فتوے اور فیصلے۔ ایک اہم کتاب جو موافق و مخالف ہر ایک کے لئے مفید اور دلچسپ ہے۔ قیمت — چار روپے۔

دین و شریعت اُردو ایڈیشن۔ مجلد — چار روپے۔ انگریزی ایڈیشن مجلد۔ آٹھ روپے

فتاوی عبدالحئی مولانا عبدالحئیؒ کا مشہور مجموعۂ فتاویٰ ایک جلد میں مکمل نظرثانی کے بعد۔ قیمت — اٹھارہ روپے۔

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ مولانا منظور نعمانی کی مقبول کتاب۔ اس میں وہ عام فہم زبان میں قرآنی مطالب بیان کرتے ہیں۔ ساڑھے پانچ روپے

آدابِ زیارتِ قبور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا محمد سلطان کے فرمودات۔ ۵۰ پیسے

قرآن اور حدیث قرآن اور حدیث کا کیا ربط ہے؟ سنت کا مفہوم اور مقام کیا ہے؟ رسالت کسے کہتے؟ ان ہی جیسے دسیوں سوالوں کا مدلل جواب مولانا مودودی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں نیا ایڈیشن مع ڈسٹ کور۔ قیمت — دو روپے ۶۰ پیسے۔

شہدائے بدرؓ شہدائے بدر کے مختصر حالات و کوائف۔ قیمت — ۶۰ پیسے۔

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

چند لٹریری کتابیں

اُردو تنقید کا ارتقاء

ڈاکٹر عبادت بریلوی کی معرکۃ الآراء تصنیف۔ بابائے اُردو مولانا عبدالحق کے مقدمے سے مزین۔ مجلد دس روپے

فنِ افسانہ نگاری

ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن۔ وقار عظیم کی یہ کتاب فنِ افسانہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خاصے کی چیز سمجھی گئی ہے۔ قیمت مجلد — سات روپے۔

تعلیمی نفسیات

تصنیف :- سر الف گیری۔

ترجمہ :- راج کمار۔

تجربات اور تفکر کی روشنی میں تعلیم کی نفسیات اور ضروری پہلوؤں پر مفید گفتگو۔ قیمت مجلد — ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

جدید تعلیمی نفسیات

از۔ ڈاکٹر عبدالرؤف :- تعلیم کے موضوع پر بہت ہی اچھی اور فائدہ مند تصنیف۔ ہر صاحبِ اولاد کے مطالعہ کی چیز۔ قیمت مجلد — آٹھ روپے۔

سرسید اور ان کے نامور رفقاء

ڈاکٹر سید عبداللہ کے قلم سے :- موضوع نام سے ظاہر ہے معلومات کا بیش قیمت ذخیرہ۔ قیمت مجلد — دس روپے۔

تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات

قاہرہ کے ایک فاضل بیرسٹر عبداللہ عنان کی تالیف نئے اسلوب میں تاریخ اسلام کے بعض وقائع پر علم و تحقیق کی روشنی۔ قیمت مجلد — ساڑھے سات روپے۔

دینی و علمی کتابیں

معرفتِ الٰہیہ یعنی خدا کی پہچان

مع اضافاتِ جدیدہ و خاتمۃ السوانح۔ حضرت مولانا اشرف علیؒ کے مشہور خلیفہ شاہ عبدالغنیؒ کے جواہر پارے۔ ورق ورق عرفان و یقین اور نکاتِ نفیسہ سے معمور۔ قیمت مجلد — چودہ روپے ۷۸ پیسے۔

اسلام اور ترقی

مولانا اشرف علیؒ کے افادیت سے لبریز ارشادات

قیمت — پچاس پیسے

تربیت السالک

مولانا اشرف علیؒ کی مشہور کتاب۔ عمدہ تبویب کے ساتھ — دو جلدوں میں مکمل۔

قیمت مجلد و مکمل — ۲۷ روپے

البدائع

مولانا اشرف علیؒ کے قلم سے گوناگوں مسائل کی تشریح۔ سو سے زیادہ نوادر و بدائع۔

قیمت مجلد — دس روپے۔

نفاق

علامہ ابن قیمؒ کے ایک قیمتی رسالے کا اُردو ترجمہ۔ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں یہ وضاحت کہ نفاق کسے کہتے ہیں اور اس کے کیا خواص ہیں۔ بہت ہی مفید رسالہ ہے۔ قیمت — ۷۵ پیسے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

تفہیم الحدیث

حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العلم)

اللہ تعالیٰ جسکے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے اور میری حیثیت فقط ایک تقسیم کرنے والے کی ہے عطا جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے۔

یہاں علم اور معلومات کا ذکر نہیں ہے دین کی سمجھ بوجھ کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ علم، مطالعہ، معلومات کی کثرت اور اصول و فروع کی واقفیت الگ شے ہے اور سمجھ بوجھ، فہم و تدبر اور بصیرت و تفقہ الگ۔ "فقہ" کا لفظ اسی تفقہ سے نکلا ہے یعنی وہ چیز جو فکر و تدبر اور سمجھ بوجھ کا حاصل ہو۔ اس انعامِ الٰہی سے مشرف ہونے والے بندے کو فقیہ کہتے ہیں اور اسی کی جمع ہے فقہاء۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ فقاہت ایک اعلیٰ درجے کی قابلِ فخر شے ہے جس میں فقاہت پائی جائے سمجھئے کہ اللہ نے اس کے حق میں بھلائی کا ارادہ فرمایا۔ بھلائی کے ارادے کا مطلب یہ ہے کہ اسے دین و دنیا میں سرخروئی نصیب ہوگی۔ دنیا میں اگر بظاہر کوئی بڑا مرتبہ اور مقامِ عیش اسے حاصل نہ ہو تب بھی آخرت کے اعتبار سے وہ صاحب نصیب ہے۔ دنیا کے عیش و الم اگرچہ آخرت کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ اللہ کے جو نیک بندے اللہ سے لو لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور دنیا طلبی کے عوض ان کے دل و دماغ میں آخرت اور رضائے الٰہی کی طلب بسی ہوئی ہوتی ہے وہ اگر دنیا کے آلام و آفات میں گرفتار بھی ہوں تو ان کے قلب و روح ان آلام و آفات سے کچھ زیادہ اثر پذیر نہیں ہوتے۔ کوئی بہت بڑا دنیاوی نقصان ہم دنیا داروں کے قلب و روح پر جتنا برا اور گہرا اثر ڈالتا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی ان پر نہیں پڑتا اور باطنی سکون و طمانیت کی وہ دولت انھیں نصیب رہتی ہے جو مسرت کی داخلی بنیاد ہے۔ اس طرح دنیا کے نقصانات و مصائب میں گھر کر بھی وہ راضی برضا اور مطمئن اور شاکر و مسرور رہتے ہیں۔

فقہ اور فقاہت اور تفقہ فی الدین کی قدر و قیمت اس حدیث نے پوری طرح واضح کر دی۔ ایک اور حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا یَّاْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّہُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِہِمْ خَیْرًا۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب العلم)

لوگ تمھاری پیروی کرتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ تمھارے پاس نزدیک و دور سے اس لئے آئیں گے کہ تم دین کی سمجھ طلب کریں۔ تو جب وہ آئیں تو میں تمھیں ہدایت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکثر صحابہؓ فقیہ تھے۔ اگر فقیہ نہ ہوتے تو دوسروں کی رہنمائی کیا کرتے۔ علاوہ ازیں فقاہت کی قدر و قیمت واضح ہوئی۔ اچھے سلوک کی نصیحت کی ہی اس لئے گئی ہے کہ تفقہ فی الدین کی طلب و

جستجو حضورؐ کے نزدیک مبارک شے تھی۔

مشکوٰۃ میں اسی مقام پر عبداللہ ابن مسعودؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:۔

فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ

پس بہتیرے وہ لوگ جو فقہ کے حامل ہوتے ہیں بجائے خود فقیہ نہیں ہوتے بلکہ ان سے کہیں زیادہ وہ لوگ فقیہ ہوتے ہیں جن تک یہ حضرات فقہ پہنچاتے ہیں

* * *

منشاء یہ ہے کہ حدیث ہو یا اس سے اخذ کردہ فروعی مسائل ان کا محض جان لینا ہی یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ شخص واقعی فقیہ ہوگیا۔ فقاہت کا تعلق تو خداداد صلاحیتوں سے ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص نے حضورؐ سے حدیث نقل کی اس میں یہ صلاحیت نہ ہوئی کہ اس حدیث کے تمام مضمرات ولوازمات اور معانی ومعارف کو سمجھ سکے اور جن لوگوں نے اس سے یہ حدیث سنی ان میں سے بعض اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اس حدیث کے تمام جلی وخفی گوشوں کو سمجھنے اور ان سے گوناگوں مسائل اخذ کرنے میں سبقت لے گئے۔

بہرحال اس حدیث سے بھی تفقہ فی الدین کی تعریف و تشریح نکلتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں ارشاد فرماتا ہے:۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (آیت ۱۲۲)

سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے انکا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہ مسلمانوں ہی کا ذکر ہے اور اللہ نے انتہائی حسنِ بلاغت کے ساتھ ترغیب دی ہے کہ مسلمانوں میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور رہنے چاہئیں جو تفقہ فی الدین کو محورِ زندگی بنائیں۔ سب کے لئے یہ ترغیب اس لئے نہیں کہ عقلِ رسا اور طبعِ سلیم کی دولت سب کے پاس کہاں۔ فہم وفراست اور اخلاص رکھنے والے تو گنے چنے ہی ہوتے ہیں۔ وہی اس کے اہل ہیں کہ محض تلاوتِ آیات اور حفظِ روایات پر نہ رک جائیں بلکہ تفقہ کریں۔ تحقیق وتفتیش کے لئے سرگرم ہوں۔

دین وشریعت کی حکمتوں کو حتی الوسع سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے:۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (آیت ۲۶۹)

(اللہ) عنایت کرتا ہے سمجھ جس کسی کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی (ترجمہ شیخ الہندؒ)

لفظ "حکمت" کی تشریح میں جو چاہے کہہ لیجئے حاصل یہی نکلے گا جو تفقہ فی الدین کے زریں نتائج کا عنوان ہے یعنی فقہ۔ یہ بھی آپ جانتے ہی ہیں کہ کتابی یا سماعی علم کسبی چیز ہے۔ جو جتنی محنت کرے اتنا ہی بٹور لے مگر "حکمت" خاص عطائے الٰہی ہے جس کو جتنی سمجھ اللہ نے دی ہے اس سے زیادہ وہ دنیا بھر کی دولت اور تمام ممکن محنت صرف کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتا سمجھ تو خدا کی دین ہے۔ وہبی ہے۔ کمائی نہیں جا سکتی۔ اسی لئے قطعاً ضروری نہیں کہ جو شخص قرآن کا حافظ ہو، ہزاروں احادیث اسے زبانی یاد ہوں اور تمام معتبر شروح بھی اس نے بہت دیکھی ہوں وہ اس شخص سے زیادہ فقیہ ہو جو نہ تو حافظِ قرآن ہے نہ حافظِ حدیث نہ اتنا زیادہ مطالعہ اس نے کیا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا شخص اللہ کی عطا کردہ سمجھ بوجھ کی بنا پر پہلے سے بڑھ کر فقیہ اور حاملِ حکمت ہوتا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ کا مقولہ ہے:۔

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرِّوَايَاتِ وَلَكِنَّهُ نُورٌ يَضَعُهُ اللّٰهُ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ

علم روایات کی افراط کا نام نہیں ہے وہ تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ آدمی کے قلب میں رکھ دیتا ہے۔

(طبقات۔ شاہ ولی اللہ الدہلویؒ طبقۂ تاسع)

اصطلاحِ عام میں عقل کا تعلق کاسۂ سر سے ہے لیکن قرآن وحدیث کی زبان میں عقلِ سلیم اور بصیرت وتفقہ کا مصدر ومہبط قلب ہے۔ یہ ایک لفظی فرق ہے۔ مطلب بہرحال یہ ہے کہ سمجھ بوجھ اور استعداد بڑی زبردست خداداد نعمت ہے جو بہت زیادہ روایات کے حفظ اور معلومات کی بہتات پر منحصر نہیں ہے۔

اسی لئے بیدار مغز اسلاف نے مسائل شرعیہ میں لائقِ اعتماد زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو مانا جو تفقہ میں ممتاز تھے۔ نہ کہ اِن لوگوں کو جو حفظِ روایات اور عبادت و ریاضت اور کثرتِ معلومات میں ممتاز تھے۔

حدیث کا دوسرا ٹکڑا (انما انا قاسم الخ) بیحد اہم ہے اور ذہن نشین کر لینے کے قابل۔ ہمارے آقا صلعم کا منشاء یہ بتانا ہے کہ جو کچھ علوم شریعت اور ان کی حکمتیں اور اسرار و معارف میرے ذریعہ تم لوگوں کو پہنچ رہے ہیں ان میں میرا ذاتی کوئی کمال نہیں۔ یہ خزانہ تو اللہ جل شانہٗ کا ہے جسے بس تقسیم کرتے رہنا میرا فریضہ ہے۔ وحی چاہے وہ منطوق جلی ہو (قرآن) یا غیر منطوق و خفی ہو (احادیثِ صحیحہ) صرف اللہ کی دین ہے اور میری سمجھ بوجھ، بصیرت، علم و عرفان اور ساری ہی صلاحیتیں باری تعالیٰ کا انعام و عطا ہیں۔ بالذات مجھے نہ کوئی قدرت ہے نہ اختیار۔

علاوہ ازیں حدیث کا یہ بھی مطلب ہے کہ میں تو تم لوگوں کے سامنے اللہ کے عطا فرمودہ علم کی روشنی میں احکام دین بیان کرتا رہتا ہوں لیکن تم میں سے کون کس درجے میں انھیں سمجھتا اور ان پر عمل کرتا ہے یہ میرے اختیار کی چیز نہیں یہ تو اللہ ہی کے قبضے میں ہے کہ کسی کو سمجھ یا توفیق کم دے اور کسی کو زیادہ۔

اسی حقیقتِ ثابتہ کے پیشِ نظر اونچے درجے کے اہلِ علم نے صحابہؓ میں بھی دو طبقے تجویز کئے ہیں۔ ایک فقہاء صحابہؓ کا۔ ایک غیر فقیہ صحابہ کا۔ دونوں طرح کے صحابہ نقلِ روایت کے معاملے میں تو عادل ہیں یعنی سچے اور قابلِ اعتماد۔ یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بات وہ غلط طور پر حضورؐ کی طرف منسوب کر سکتے ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے اور ایسا واقع بھی ہوا ہے کہ حدیث نقل کرنے والے صحابی نے حضورؐ کا صحیح منشاء نہیں سمجھا۔ یا اُس سیاق و سباق سے ناواقف رہے جس میں حضورؐ نے کوئی بات فرمائی تھی۔ یا حضورؐ کے کسی لفظ کا عام مطلب لے لیا حالانکہ آپؐ نے خاص مفہوم میں ارشاد فرمایا تھا۔ وغیر ذٰلک۔

بہرحال علم کی اہمیت تو بہت زیادہ ہے ہی لیکن اس سے بھی بڑھ کر تفقہ اور تدبر اور تفکر کا درجہ ہے جس کی روشنی میں بندہ اپنے اللہ کے دین کی حکمتیں اور مصلحتیں اور مضمرات و مشتملات کے غامض پہلوؤں تک پہنچتا ہے۔

جناب حافظ امام الدین رام نگری کی وقیع تصنیفات

کتاب	قیمت
ابوبکر صدیقؓ (سوانح اور حالات)	۲/-
اذہانات سورۂ یٰسٓ شریف	۱/-
آواگمن کا تحقیقی جائزہ	۱/۷۵
انوار اسلام بجواب مصابیح الاسلام مکمل	۵
آریہ سماجی عقیدۂ نجات کا تحقیقی جائزہ	۱/-
اُردو ہندی ماسٹر	-/۵۰
ابو ایوب انصاریؓ (میزبانِ رسولؐ)	-/۶۲
بے مثال زندگی	-/۶۵
جزیہ کی حقیقت	-/۵۰
حضرت خدیجۃ الکبریٰ	-/۷۵
حضرت عثمان ذی النورینؓ	-/۸۸
خاصانِ خدا کی نماز	-/۹۵
دلائل القرآن مکمل و مجلّد	۵/-
دفتری ہندی مراسلات و کاغذات	۲/-
رسالتِ محمدیؐ کے عقلی دلائل	۱/-
سفرائے اسلام	-/۷۵
عظمتِ روم علمبردارانِ اسلام کے قدموں پر	۱/-
عقیدۂ آخرت کے عقلی دلائل	-/۸۰
عقیدۂ توحید اور انسانیت	-/۶۰
غیر مسلم علماء اور محاسنِ اسلام مجلّد	۳/-
قبولِ اسلام کی کہانی	۵/۵۰
معلم نماز اردو	-/۶۰
معلم نماز ہندی	-/۶۵
مسلمان شوہر و بیوی	۱/-
معیاری اسلامی حکومت	۲/۲۵
نماز کے فضائل	۱/-

دیگر مصنفین

کتاب	قیمت
مکتوبات امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ اردو جلد اوّل	۱۲/۷۵
مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ” جلد دوم	۱۵/۷۵
مکتوبات تصوف	۵/-
تحفۃ المتعلمین	۲/۶۰
بیٹے سے خطاب	۱/-
مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اُن کے ناقد	۵/-
سوانح حضرت موسیٰؑ	۱/-
سوانح حضرت عیسیٰؑ	۱/-
سوانح حضرت داتا گنج لاہوریؒ	۱/-
سوانح شیر شاہ سوری	۱/-
گنجینۂ اسرار (عملیات علامہ انور شاہ کشمیریؒ)	۳/-
تاریخ دیوبند (اضافہ شدہ)	۸/-
شاہانِ دہلی یا اسلاف دیوبند (ملقب ارواحِ ثلاثہ)	۷/-
مسلم یونیورسٹی، مینارۂ نور یا ظلمت کدہ	۳/-
سوانح محمد علی جناح	۳/-
النحو الواضح ابتدائی مکمل	۹/-
النحو الواضح ثانوی مکمل	۱۲/-
جوہرۂ نیرہ قدوری کی عربی شرح	۲۰/-
البلاغۃ الواضحہ عربی	۱۵/-
نسخۂ عجیب	-/۲۵
ایک اہم دعوت (مولانا ابوالحسن علی ندوی)	-/۵۰
مسلمانوں کی پریشانیوں کا بہترین علاج	۲/-
جواہر الایمان	-/۴۰
میری نماز	۱/۵۰
آسان نماز	۱/۳۵
تاریخ مشائخ چشت مجلّد	۸/-
منتخب تقریریں مجلّد (مولانا منظور نعمانی)	۵/-

مکتبہ تجلّی - دیوبند (یو-پی)

عامر عثمانی

حقائق

عشق کے مراحل میں وہ بھی وقت آتا ہے
آفتیں برستی ہیں، دل سکون پاتا ہے

آزمائشیں اے دل سخت ہی سہی لیکن
یہ نصیب کیا کم ہے کوئی آزماتا ہے

ہو اگر نہ تاریکی روشنی کو پوچھے کون
قدر و قیمتِ انصاف ظلم ہی بڑھاتا ہے

ہے تضاد کے دم سے بزم دہر کی رونق
اشک پی کے شبنم کے پھول مسکراتا ہے

دوسروں پہ کیا الزام یہ تو دل ہی کا فن ہے
خود شکار ہوتا ہے خود فریب کھاتا ہے

عمر جتنی بڑھتی ہے اور گھٹتی جاتی ہے
سانس جو بھی آتا ہے لاش بن کے جاتا ہے

آبلوں کا شکوہ کیا ٹھوکروں کا غم کیسا
آدمی محبت میں خود کو بھول جاتا ہے

کارزارِ ہستی میں عزّ و جاہ کی دولت
بھیک میں نہیں ملتی، آدمی کماتا ہے

اپنی قبر میں تنہا آج تک گیا ہے کون
دفترِ عمل عامر ساتھ جاتا ہے

مولانا مودودی اور تصوف کہا جاتا ہے کہ مولانا مودودی تصوف کے دشمن ہیں۔ اس الزام کی پوست کندہ حقیقت خود مولانا کی اپنی تحریروں کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ مولانا کس تصوف کے دشمن اور کس کے حامی ہیں۔ مجلد۔ ڈھائی روپے۔ ۲/۵۰

روحِ تصوف مولانا اشرف علیؒ کی مشہور کتاب جس کا ترجمہ مفتی شفیع صاحب نے کیا ہے۔ تصوف سے متعلق تمام گوشوں پر محققانہ گفتگو، اخلاقی تعلیمات، آداب وغیرہ اصلی اور جاہلانہ تصوف کا فرق۔ قیمت مجلد — تین روپے ۷۵ پیسے۔ ۳/۷۵

تاریخ الفخری تاریخ اسلامی کی ایک مشہور اور مستند کتاب۔ جس کا ترجمہ اردو، فارسی، اور فرنچ زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ آپ کی خدمت میں اردو ترجمہ حاضر ہے۔ قیمت مجلد — بارہ روپے۔ ۱۲/-

سفر مصر و حجاز امیر شریعت مولانا منت اللہ بہاری کے قلم سے ایک بصیرت افروز معلومات افزا سفرنامہ۔ قیمت۔ ڈھائی روپے

سیرت خلفائے راشدین خلافتِ راشدہ کے خصائص و حقائق اور چاروں خلفائے راشدین کے تفصیلی حالات مصنفہ: مولانا عبدالحیؒ
قیمت — تین روپے ۳/-

بزم مملوکیہ ہندوستان کے غلام سلاطین، امراء اور شہزادوں کی علم دوستی اور معارف پروری کا تذکرہ اور ان کے دربار سے تعلق رکھنے والے علماء و فضلاء اور ادباء و شعراء کا دلچسپ تعارف۔ سات روپے ۷/-

تلاش راہِ حق خطوط کی زبان میں ایک روداد۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا اشرف علیؒ۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا منظور نعمانی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ میاں طفیل احمد اور چوہدری علی احمد۔ قیمت — ڈھائی روپے۔ ۲/۵۰

فضائلِ مسجد جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں مسجد کے فضائل معتبر روایات کی روشنی میں بتائے گئے ہیں۔ قیمت — سوا روپیہ۔ ۱/۲۵

التشرف احادیث تصوف کی معرفت پر مولانا اشرف علیؒ کی معروف کتاب۔ چودہ روپے۔ ۱۴/-

تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے شاندار ماضی میں دین کی تبلیغ و تعلیم کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ مسجدیں، راستے، مکانات، بازار کہیں بھی ہوں مسلمان مبلغ بنے رہے۔ دنیا کے کاروبار نے انھیں دین سے غافل نہیں کیا۔ از: قاضی اطہر مبارک پوری۔ ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

مکتوبات خواجہ معصوم سرہندیؒ معارف و اسرار و ہدایات و نصائح اور نکات و لطائف سے لبریز خطوط اردو لباس میں۔ مطالعہ کی بہترین چیز۔
قیمت — پانچ روپے

مناجات مقبول (کرسیدہ) عکسی مولانا اشرف علیؒ کی مقبول عام اور مفید ترین کتاب پرانے اور نئے اضافوں کیساتھ۔ مجلد — چھ روپے۔

دینی دعوت کے قرآنی اصول مولانا قاری محمد طیب صاحب کی فکر انگیز کتاب جو دینی دعوت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتی ہے۔
قیمت — تین روپے۔ ۳/-

آپ حج کیسے کریں؟ مولانا منظور نعمانی کی معروف کتاب
قیمت — دو روپے ۲/-

امتِ مسلمہ کی رہنمائی حضرت عمرؓ کی تعلیمات میں مولانا تقی امینی کی ایک تازہ تصنیف انفرادی و اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں حضرت عمرؓ کے اصلاحی فرمودات و اقدامات۔ دور رس حکمتوں سے لبریز۔ قیمت — دو روپے۔ ۲/-

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

- عطائے بزرگاں
- مُردوں کے سننے کی بحث
- شاہنامے کے دو شعروں پر اعتراض
- دودہ کی شرکت • غیر مسلموں کے تہوار اور تقاریب
- مدعی سست اور گواہ چست

وغیر ذلک

تجلّی کی ڈاک

عطائے بزرگاں

سوال :- از- ارشاد احمد- کلکتہ ۱۲

پہلی مرتبہ آپ کو خط لکھ رہا ہوں اور وہ بھی جلے ہوئے دل کے ساتھ، اس لئے کوئی لفظ نامناسب نکل جائے تو معاف کیجئے گا۔

آپ نے بریلویوں کی کتاب "زلزلہ" پر تبصرہ کر کے سارے علمائے دیوبند کا سر نیچا کر دیا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ ان بدبختوں نے آپ کا تبصرہ کتابی شکل میں شائع کر کے لاکھوں لاکھ افراد کے ہاتھوں میں پہنچا دیا ہے۔ آپ ایک ذمہ دار خاندان کے چشم و چراغ تھے، اپنے بزرگوں پر حملہ کرتے ہوئے کم از کم آپ کو اپنی حیثیت کا لحاظ کرنا چاہیئے تھا

ہم نے اپنے علاقے کے چھوٹے بڑے متعدد علمائے دیوبند کو آپ کا تبصرہ دکھلایا تو ان میں سے کسی نے آپ کے متعلق بتایا کہ آپ بدمشرب آدمی ہیں۔ آپ کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ وہ آوارہ ہے سنیما دیکھتا ہے کسی نے کہا کہ علمائے دیوبند نے اسے نکال دیا ہے۔ اب وہ مودودی پارٹی کا ایجنٹ ہے وہاں سے اس کو اسی بات کے لئے روپیہ ملتا ہے کہ وہ عوام کو بزرگانِ دیوبند سے پھیر کر مودودی صاحب کا ہمنوا بنا دے۔ کسی نے کہا کہ دیوبندی مکتبۂ خیال کے خلاف شورش پھیلانے کیلئے رضاخانیوں نے اسے بہت بڑی رقم دی ہے۔

میں سخت حیران ہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور کسے کیا کہوں۔ خدارا صحیح حقیقت سے مجھے مطلع کیجئے۔ اپنے تبصرے کے مضرت رساں اثرات کو زائل کرنے کیلئے اب آپ ہی کوئی صورت نکالئے۔

جواب :-

آپ مسلمان ہیں۔ قرآن پر تو یقیناً ایمان رکھتے ہونگے قرآن ہی کی ایک سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا اے ایمان والو تم رہو

قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ۔
(آیت ۱۳۵)

انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا...

اور سورۂ حج میں حکم دیتا ہے:۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ (آیت ۵۳)

جھوٹی بات سے بچتے رہو ایک اللہ کی طرف ہو کر نہ کر اسکے ساتھ شریک بنا کر

پہلی آیت پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (جو ہمارے حقیقی چچا بھی تھے اور دیوبند کے ایک ممتاز ترین عالم بھی) حاشیہ لکھتے ہیں:۔

"یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہیئے اگرچہ اس میں تمھارا یا تمھارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو۔ جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہیئے دنیوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ لو۔" (تفسیر عثمانی صـ۱۴۲)

اب آپ ٹھنڈے دل سے صورتِ حال پر غور فرمائیں ہمارے پاس تبصرے کے لئے کتابیں آتی ہیں۔ تبصرے کا مطلب ہے ایمانداری کے ساتھ اچھے برے پہلو ظاہر کر دینا کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے جو خوبی اور خرابی ہم محسوس کریں اسے بےکم وکاست بیان کر دینا ہی ہمارا فرض ہے۔ یہی انصاف کا تقاضا بھی ہے اور یہی سچی گواہی بھی۔ اسی کا نام اظہارِ حق ہے۔ آپنے قرآن کی زبان سے سن لیا سچی گواہی دینے اور غلط گوئی سے بچنے کی کیسی تاکید آئی ہے۔

حق پوشی کے بارے میں فرمایا گیا:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً (بقرہ آیت ۱۴۰)

اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی گواہی۔

اب بتائیے۔ "زلزلہ" نامی تبصرہ طلب کتاب پڑھتے ہوئے اگر ہم نے دیانت داری کے ساتھ محسوس کیا کہ اعتراضات وزن دار ہیں تو کیا ہمیں اس لئے حق گوئی سے اجتناب کرنا چاہیئے تھا کہ حق گوئی سے کا نقصان علمائے دیوبند کو پہنچتا ہے اور ہم ایک ذمہ دار خاندان کے چشم و چراغ ہیں؟ کیا ہم کتمانِ حق کر جاتے؟ کیا ہم اس لئے انصاف نہ کرتے کہ اس کا فائدہ اتفاق سے ایک بریلوی خیال کے معترض کی جھولی میں پڑ رہا ہے۔

باری تعالیٰ تو فرماتے ہیں:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
(مائدہ ۵۔ آیت ۸)

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی۔ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو عدل کرو۔ یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔
(ترجمہ شیخ الہندؒ)

❖ ❖ ❖

تو اے ہمارے محترم بھائی۔ اللہ آپ کے دل کو ٹھنڈک عطا فرمائے۔ ہم تو فلاں اور فلاں کی ناراضگی کی پرواکئے بغیر اور نفع نقصان کا میزانیہ دیکھے بارون وہی کہیں گے جو سچ اور حق سمجھیں گے۔ یہ تو عین ممکن ہے کہ اپنے علم و فہم کی کمی کے باعث ہم کسی غلط بات کو صحیح اور صحیح کو غلط باور کر بیٹھیں۔ ایسی صورت میں ٹوکنے اور تنبیہ کرنے کا معقول طریقہ یہ ہے کہ ہمارے قصورِ فہم کو دلائل کے ذریعہ منقح کر دیا جائے نہ یہ کہ نسل و نسب اور حلقہ و گروہ کی دہائی دی جائے۔ آپ ممکن ہے اس خیال میں ہوں کہ دیوبندی بزرگ عامر عثمانی سے خفا ہو گئے تو اسے سیدھا جہنم میں پہنچا دینگے لیکن ہم ایسا بالکل نہیں سمجھتے۔ ہمارا معاملہ اپنے رب کے ساتھ براہ راست ہے اور ہم شفیعِ محشر اپنے آقا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔ باقی ساری دنیا خفا ہو جائے تو رائی کے دانے برابر بھی پروا نہیں۔

جو ریمارک آپ کے بیان کے مطابق چھوٹے بڑے علماءِ دیوبند نے ہمارے لئے پاس کئے ہیں ان کے لئے ہم

ان کے شکر گذار رہیں۔ متذکرہ الزامات میں سے اگر کوئی سچا ہے تو اس کا حساب اللہ تعالیٰ بہر حال ہم سے لے گا۔ ان بزرگوں کے کہنے سے کوئی مزید نقصان واقع نہیں ہوا اور جو الزامات جھوٹے ہوں گے ان کے سلسلے میں اللہ ان بزرگوں کی کچھ نیکیاں ہمیں عطا کرے گا۔ یہ حضرات غالباً مطمئن ہیں کہ ہمارے لئے جنت رزرو ہو چکی ہم زبان سے جو بھی الزام افترا یا سب وشتم نکالیں اس پر کوئی گرفت آخرت میں نہیں ہوگی اور ہماری تو نیکیاں ہی خدا کے فضل سے اتنی ہیں کہ ہزار گناہ بھی کرلیں تو میزانِ حشر کا پلڑا جھک نہیں سکتا جو بھی ہو۔ یہ رازہائے نہانی کھوج نکالنے میں انھوں نے بڑے بڑے جاسوسوں کو مات کردیا ہے کہ ایڈیٹر تجلی جماعتِ اسلامی سے بھی روپیہ کھا رہا ہے اور رضاخانیوں سے بھی۔ انھیں اتنا اور بتلائیے کہ امریکہ والے بھی اسے بیشمار روپیہ اس مقصد سے بھیجتے ہیں کہ کمیونزم کے خلاف کبھی کبھی لکھتے رہا کرو اور اپنے دیس کے جن سنگھی بھی بڑی بڑی رقموں کے چیک کاٹ کر دیتے رہتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً کانگریس کی خبر لیتے رہو۔

غنیمت ہے ان بزرگوں نے صرف [illegible] کے "ہلکے پھلکے" الزامات عائد فرمائے اور زیادہ بے تکلفی پر اتر آتے تو کون ان کا کیا بگاڑ لیتا۔

ہم واقعی سیاہ کار ہیں۔ ایک عالم سے عام آدمی سے بھی گئے گذرے۔ خدا بخش دے تو اس کا احسان ہے، عذاب کرے تو عین عدل۔ لیکن وہ دن انشاء اللہ ہماری زندگی میں کبھی نہیں آئے گا کہ کسی بات کو اپنے نزدیک حق جانتے ہوئے بھی چھپا جائیں اور سچی گواہی سے اس لئے پرہیز کریں کہ اس کی زد ہمارے ممدوح بزرگوں پر پڑ رہی ہے اور اس کا فائدہ غیروں کو پہنچ رہا ہے — یہی واحد عمل ہے جسے ایمان کے ساتھ ہم بارگاہِ الٰہی میں لے جانا چاہتے ہیں۔ اور کوئی ذخیرہ ہمارے پاس نہیں۔ واستعینُ باللہِ وھو الکافی۔

مُردوں کے سُننے کی بحث

سوال ۲:۔ از۔ فاروق احمد صدیقی، لکچرار۔ بہار۔

آپ نے تجلی شمارہ مئی صفحہ ۳۸ پر سماعِ موتی کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے سورۃ فاطر کی ۲۲ ویں آیت پاک کا یوں ترجمہ کیا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔	اللہ ہی جسے چاہتا ہے سنا سکتا ہے۔ اے رسول! تم اُن کو کچھ نہیں سنا سکتے جو قبروں میں جا چکے

اور پھر اس آیت پاک کی تشریح مزید آپ نے ان لفظوں میں کی ہے:۔

"اس آیت کا مطلب یہی تو ہوا کہ جو قبر میں گیا اسے میں اور آپ تو کیا اللہ کے سب سے بڑے رسول بھی کچھ نہیں سنا سکتے۔ بتائیے کیا ہم اور آپ اللہ کے رسول سے بھی بڑھ گئے کہ انھیں تو قبر والوں کو سنانے کی قدرت نہ ہوا اور ہم گھر بیٹھے احمقوں کی طرح یا عبدالقادر یا فلاں پکارا کریں تو قبر والے فوراً سن لیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔"

اس سے قطع نظر کر سطور بالا میں آپ نے اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی تبلیغ بڑے دل نشیں پیرائے میں کی ہے، مسئلہ زیر بحث میں مجھے آپ کی تصریحات اور مفسرین سلف کے توضیحات میں کوئی نسبت نظر نہیں آتی۔ آیتِ بالا میں آپ نے مَن فِي القُبُور کا ترجمہ کیا ہے۔ "جو قبروں میں جا چکے"۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے من فی القبور سے کفار مراد لیا ہے اور شاید اس لئے مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو قبولِ حق کی عدم صلاحیت کی وجہ سے مردہ سے تشبیہ دی ہے۔ ملاحظہ ہو جلالین میں آیت زیر بحث کی تفسیر:

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ هدايته فيجيب بالايمان وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ اى الكفار شبههم بالموتى فلا يجيبون۔

کیا نتائج کی روشنی میں آپ اور علامہ سیوطی قطبین پر کھڑے نظر نہیں آتے ہیں؟ اب خدا جانے یہاں کس کا تفرّد ہے۔ آپ ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے پیش کردہ ترجمۂ تفسیر کو صائب و درست مان لیا جائے یا علامہ سیوطیؒ کے خامۂ زرنگار سے نکلے ہوئے ترجمے کو قرآن کی اصل مراد پر محمول کیا جائے۔ تفاسیر قرآن میں جلالین کی جو عظمت و اہمیت ہے محتاج وضاحت نہیں شاید یہ اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد تفسیر ہے جس میں عقلی موشگافیوں اور منطق و فلسفہ کی لاطائل بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ قرآن پاک کے اصل مراد و مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بہرکیف جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں آیت مذکورہ بالا میں قبروں میں مُردے کے سننے یا نہ سننے کی بحث ہرگز نہیں جیسا کہ آپ نے تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ اصل مراد یہ ہے کہ اے رسول! آپ ان کافروں کو جو جیتے جی مردے کی طرح اندھے، بہرے اور گونگے ہیں آپ کی کوئی نصیحت نافع نہیں ہو سکتی، بلکہ نصیحت ان کے حق میں مفید اور کارگر ہو گی جو سن کر اثر قبول کر سکیں۔ یعنی جس طرح ایک مُردے کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جارہا ہو ان کے حق میں سودمند نہیں۔ یہی حال کفار و مشرکین کا ہے۔

چنانچہ میرے اس خیال کی تصدیق و تائید سورۂ النمل پارہ امّن خلق السمٰوات (۲۰ واں پارہ) کی آیت ۷۹، ۸۰، ۸۱ سے بھی ہوتی ہے۔ جلالین کے حوالے سے ملاحظہ ہو۔

فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ثق بہ اِنَّکَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ای الدین البین فالعاقبۃ لک بالنصر علی الکفار ثم ضرب لھم امثالا بالموتی والصم والعمی فقال اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا ...... وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ اِنْ تُسْمِعُ سماع افھام وقبول اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا القرآن فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ مخلصون

بتوحید اللہ۔

مختصر یہ کہ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے کہ مُردے قبروں میں سُنتے ہیں کہ نہیں۔ ان آیتوں میں اس کی بحث ہرگز نہیں۔ یہاں تو صرف ارشادِ ربّانی یہ ہے کہ اے رسول! اہلِ ایمان آپ کی نصیحتوں کو اپنے کان سے بھی سُنتے ہیں اور دل سے بھی۔ لیکن کفار کان سے تو ضرور سنتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے۔ اگر قرآن کا مقصود و مدعا یہ نہیں تو پھر "سماع افہام و قبول" کا کیا مطلب؟؟

براہِ کرم تجلی کے حوالے سے تفصیلی جواب مرحمت فرماکر ممنون کریں۔

جواب ۲ :-

آپ نے تفسیر جلالین کے حوالوں سے سوال کو لمبا کرنے کی زحمت نہ گوارا کی ہوتی تب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ یہ تو خود آیتِ زیرِ بحث کا سیاق و سباق ہی بتا رہا ہے کہ وہ کافروں سے متعلق ہے۔ کافروں ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے رسول! جو لوگ تیری دعوتِ حق پر ایمان لاکر نہیں دیتے وہ تو فکر و بصیرت کے اعتبار سے اندھے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اہلِ ایمان کی چشمِ بصیرت روشن ہے۔ اندھے اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ اندھیرے اور اجالے میں یکسانی کہاں۔ چھاؤں کی ٹھنڈک اور لُو کی گرمی کو ایک جیسا کون کہہ سکتا ہے۔ مُردوں اور زندوں میں برابری کا دعویٰ ممکن ہی نہیں۔

یہ ہے آیتِ متصلہ کا ترجمہ۔ ظاہر ہے کہ ایک سیوطیؒ کیا سبھی مفسرین یہی کہیں گے کہ یہاں بینائی، چھاؤں اور زندگی سے مراد ایمان و ہدایت ہے اور اندھے پن، سخت گرمی اور موت سے مراد کفر ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ:-

"اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ہم نے اس کے بجائے ترجمہ کیا تھا ــــ "جو قبروں میں جاچکے"۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کا ترجمہ ہے ــــ "جو قبروں

میں ہیں۔"

شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ہے :-

"اور نہیں ہے تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو سنا سکے بات اس شخص کو جو گور میں مُردہ پڑا ہے۔"

کیا لفظی فرق کے سوا ان تراجم میں مصداق و مفہوم کا کوئی فرق ہے؟ ـــــ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہمارے ترجمے کو آپ کا ہدفِ اعتراض بنانا آخر کس قصور کی سزا ہے۔

آپ ایک لیکچرار ہیں آپ کے لئے تو یہ سمجھنا بالکل آسان ہونا چاہئیے تھا کہ آیت کا کفار سے متعلق ہونا طے شدہ امر ہے اور عاجز نے جو کچھ کہا ہے اس سے اس امرِ مسلّم کی نفی نہیں نکلتی۔ یہ میں بھی جانتا ہوں اور ہر طالب علم جانتا ہے کہ اس آیت میں موت و حیات کی فلاسفی قرآن کا موضوعِ کلام نہیں لیکن یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے کہ ایمان سے گریزاں کافروں کو اللہ تعالیٰ قبر رسیدہ مُردوں سے تشبیہ دے رہا ہے۔ تشبیہ کا حاصل اور مدعا یہ ہوا کرتا ہے کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ میں وہ وصف مشترک ہو جو وجہ شبہ بنایا گیا ہے۔

مثلاً ایک حکایت پڑھتے ہوئے آپ کے مطالعہ میں یہ فقرہ آتا ہے :-

"زید مُردوں کی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔"

تو ظاہر ہے کہ یہاں موضوعِ کلام موت و حیات کا فلسفہ نہیں ہے بلکہ صورتِ واقعہ کو زیادہ واضح کرنے کیلئے ایک تشبیہ دی گئی ہے۔ وجہ شبہ مُردوں کا یہ وصفِ خاص ہے کہ وہ حرکت و جنبش نہیں کر سکتے۔ تو کیا فقرے کا تعلق زید کے ساتھ ہونے کی بناء پر آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مُردوں کا بے حس و حرکت ہونا اور نہ ہونا ایک الگ مسئلہ ہے اور اس فقرے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مُردے جنبش و حرکت نہیں کر سکتے۔

اللہ نے وجہ شبہ خود بیان فرما دی۔ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ یعنی ایمان نہ لانے والے کفار کو قبر رسیدہ مُردوں سے تشبیہ یوں دی گئی کہ مُردے بھی سُننے کی صلاحیت سے اس حد تک محروم ہیں کہ سب سے بڑا رسولؐ بھی انھیں اپنی آواز سنانے پر قادر نہیں اور سرکش کفار بھی قبولِ ہدایت کی صلاحیت سے اس حد تک محروم ہیں کہ ان کو مومن بنانا رسولؐ کی استطاعت سے باہر ہے۔ کفار کا سننے سے محروم ہونا یہ معنی تو رکھ ہی نہیں سکتا کہ ان کے کان نہیں ہیں۔ کان تو ہیں اور ہر طرح کی آوازیں بلاشبہ وہ سنتے ہیں مگر صدائے حق کا جو اثر لینا چاہئیے وہ نہیں لیتے۔ اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کی ۱۷۹ ویں آیت میں بیان فرمایا ہے وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا (اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سُنتے نہیں)

اب چونکہ ایک موٹی عقل والے کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کان تو کافروں کے بھی سماعت کی صلاحیت سے محروم نہیں تھے۔ وہ حضورؐ کی آوازیں سُنتے تھے اور سوال و جواب کرتے تھے۔ بہرے ہرگز نہیں تھے۔ تو اللہ نے قبر رسیدہ مُردوں سے تشبیہ دے کر سمجھایا کہ ان کا بظاہر سننا نہ سننے ہی کے حکم میں ہے اور انھیں مُردوں جیسا سمجھو جو سننے کی صلاحیت سے قطعاً محروم ہیں۔ مُردوں کا سُننے کی صلاحیت سے مکمل طور پر محروم ہونا اس تشبیہ نے بلا غبار واضح کر دیا۔

"زید نے شیر کی طرح حملہ کیا۔"

کیا اس تشبیہ سے یہ ثابت نہیں کہ شیر بہادر ہوتا ہے۔

"طلحہ کا جسم برف کی طرح سرد ہو گیا۔"

کیا اس تشبیہ سے یہ ثابت نہیں کہ برف ٹھنڈا ہوتا ہے۔

اسی طرح جب سننے کی صلاحیت سے محرومی کیلئے اللہ نے قبر رسیدہ مُردوں کو مشبّہ بہ بنایا اور الفاظ میں بھی واضح کر دیا کہ وجہ شبہ عدم سماعت ہے تو کیا شک رہا اس بات میں کہ مُردے نہیں سُن سکتے الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی دینی مصلحت کے تحت اپنی قدرتِ خاص سے انھیں سُنوا دے۔ یہ ایک استثنائی حالت ہوگی۔ استثناء کے لئے ثبوت چاہئیے۔ عام کلیہ یہی رہے گا کہ مُردے سُننے کی استعداد نہیں رکھتے۔

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

"اللہ نے فرمایا اے رسول! تو قبروں والوں کو سنانے کی قدرت نہیں رکھتا یعنی جس طرح اُن مُردوں کو پکارنا لاحاصل ہے جو قبروں میں پہنچ چکے اسی طرح بدبخت قسم کے کافروں کے لئے تیری دعوت بے نتیجہ رہے گی۔ ان کی ہدایت کی اب کوئی شکل باقی نہیں رہی الّا یہ کہ خدا اپنے خاص فضل سے کسی کو ہدایت دے دے تو تُو محض آگاہ کرتا رہ۔ تیرے ذمّے بس تبلیغ ہے۔ ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

کیا خط کشیدہ فقرے کا مفہوم اُس سے شمّہ برابر بھی مختلف ہے جسے ہم نے مئی کے معترض فیہ جواب میں پیش کیا تھا اور آپ کو اس پر اعتراض پیدا ہوا؟

آپ یا تو "تطبین" کے صحیح معنی نہیں لینا چاہتے اور لفظِ "تفرّد" کے مصداق میں تجاہلِ عارفانہ برت رہے ہیں۔ یا پھر غلط اور صحیح میں امتیاز آپ کو پسند نہیں — علامہ سیوطیؒ نے یا دیگر معروف مفسرین نے مذکورہ آیت کے ذیل میں جو کچھ کہا ہے اس میں اور ہماری معترض فیہ عبارت کے مضمون میں تطبین کا فاصلہ تو کیا ہوتا گز دو گز کا بھی فاصلہ نہیں۔ آپ ہی نے سیوطیؒ کے الفاظ نقل کیے۔ شبّہ ھم بالموتیٰ فلا یجیبون کیا تشبیہ کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ مُردے سماعت سے محروم ہیں۔ اگر ان کے لئے سماعت کا امکان [illegible] لیا جائے تو تشبیہ کا جواز ہی کیا رہ جاتا ہے؟

آپ غالباً یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ اہلِ زبان کے یہاں کسی وصف کے اثبات میں تشبیہ کا طریقہ سب سے زیادہ اقوی اور قطعی مانا گیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ زید کا لباس عطر کی طرح مہک رہا تھا تو اس سے نہایت قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ عطر میں خوشبو کا ہونا دو رائے کا محتمل نہیں۔ وہ مسلّمات میں سے ہے۔ تشبیہ دیتے ہی ہیں ایسے وصفِ معروف کی بنا پر جو سب کے نزدیک مسلّم ہو۔ معروف ہو۔ ناقابلِ انکار ہو۔ اللہ نے کفار کے عدمِ قبول کو مُردوں کے محرومِ سماعت ہونے سے تشبیہ دی۔ یہ ابلغ اور قطعی اسلوب ہے، سننے کی صلاحیت سے مُردوں کی محرومی کا۔ آج کی طرح دورِ رسالت کا بھی بچہ بچہ جانتا کہ مُردے نہیں سنتے۔ وہ تو مٹی کا بے جان ڈھیر ہیں۔ ان میں احساس و ادراک کہاں۔ اس میں سرِ مو شک اور اختلاف کی گنجائش نہیں تھی کہ مُردے محرومِ سماعت ہیں۔

ادب سے گذارش ہے کہ قرآن کو سمجھنا ہو تو فہم و دراست کو ذرا مہذّب اور چاق چوبند بنائیے۔ قوتِ ادراک کو اس سطح پہ لائیے جو قرآن فہمی کے شایانِ شان ہے۔ زبان و بیان کے مبادیات تک سے غفلت برتنا اور منطوقِ کلام تک کو نظر انداز کر جانا تقاضا کرتا ہے کہ تفسیری مباحث کے میدان میں کودنے سے آپ فی الحال پرہیز کریں۔

اور یہ بھی سمجھ لیجئے۔ یہاں جلالین کے اور میرے درمیان مطلق اختلاف نہیں لیکن یہ پھر بھی مت سمجھئے کہ تفسیر جلالین کوئی حجت ہے۔ سیوطی بھی میری ہی طرح ایک غیر معصوم انسان تھے۔ ان سے بھی اپنی تالیفات میں بے شمار غلطیاں ہوئی ہیں اور محققین نے ان میں سے اکثر کی نشاندہی بھی کی ہے لہٰذا جلالین کے بارے میں یہ خیال قائم کر لینا کہ وہ واحد اور منفرد تفسیر ہے جس میں قرآن کے اصل مراد و مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے مبالغہ آمیز ہے۔ نیز یہاں آپ نے نہ جانے کس [illegible] میں امام رازیؒ اور ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ اور بے شمار دیگر مفسرین کی توہین بھی کر دی جنھوں نے اپنی ضخیم تفسیروں میں آیات کے تمام پہلوؤں پر منطق، حدیث، علمِ کلام، علمِ فقہ، علمِ بلاغت اور علمِ نفسیات کے زاویوں سے دادِ تحقیق دی ہے۔ آپ کے الفاظ میں یہ "لا طائل بحثیں" ہیں۔

کیا یہی ہے وہ خراجِ تحسین جو ہمیں اپنے رفیع الشان اسلاف کو پیش کرنا چاہئے۔ کیا یہی ہے اُن کاوشوں کی قدردانی جس نے اسلامی لٹریچر کا دامن لعل و جواہر

سے بھر دیا۔ لعل و جواہر کے ڈھیر میں کچھ کنکر پتھر بھی ہوں تو ان سے لعل و جواہر کی قیمت کم نہیں ہو جاتی۔ ضخیم تفاسیر سلف میں یقیناً رطب اور یابس دونوں ہیں۔ لیکن خدا کی کتاب کے علاوہ دنیا میں کونسی کتاب ہے جو امکانِ خطا سے بالاتر ہو لہذا تفاسیر سلف کو لاطائل بحثوں کا دفتر قرار دینا ایک بڑی جسارت ہے جو آپ جیسے اچھے مسلمانوں کو زیب نہیں دیتی۔ اگر یہ ضخیم تفسیریں نہ ہوتیں تو جلالین جیسی مختصر تفاسیر سے قرآن کو پوری طرح سمجھنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ سیوطیؒ نے اختصار کی راہ اس لئے اختیار نہیں کی تھی کہ طول کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اسلئے اختیار کی تھی کہ مطوّل تفاسیر پہلے سے موجود تھیں لہذا انکی مختصر کو اِن مطوّل کے ذریعہ سمجھنا ممکن تھا۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ اعتراض سے قبل ہمیشہ یہ دیکھ لیا کیجئے کہ جس موضوع سے آپ کا اعتراض متعلق ہے اس پر آپنے کس حد تک عبور حاصل کیا ہے۔

اور ہاں یہ ہمیں معلوم ہے کہ سلف میں سماعِ موتیٰ کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ لیکن جو طبقہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہے وہ بھی اس آیت کی حد تک اُس کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتا جو غیر قائلین کہتے ہیں۔ وہ دوسرے مقامات سے دلائل لاتا ہے۔ یہاں ان سے بحث نہیں۔ ہیں بہر حال دوسرے دلائل پر بھی بحث سے بھاگتا نہیں بشرطیکہ کوئی صاحب انھیں علمی انداز میں پیش کریں۔ یہ انداز علمی ہرگز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی پسندیدہ مفسر کا نام اس انداز میں پیش کر دے کہ جیسے وہی ایک زبدۃ المفسرین ہے، اور باقی سارے مفسر جھک مارتے رہے ہیں۔

شاہنامے کے دو شعروں پر اعتراض

سوال ۳ :- سید امیر الحسن احساس۔ بمبئی ۸۳۔

ماہِ رواں یعنی جون ۱۹۶۳ء کے تجلی میں "شاہنامۂ اسلام" کی نظموں کو پڑھتے وقت دو شعر ایسے نظر آئے جنکی صحت پر مجھے کچھ تامل ہوا۔ آپ کی قادر الکلامی اور فنِّ شاعری میں پختگی کے یقین کے باوجود میرا دل مطمئن نہ ہوا اور یہ خط لکھنا پڑا امید کہ آپ مطمئن فرمائیں گے اور ممنون فرمائیں گے۔ دونوں اشعار درج ذیل ہیں :-

(۱) وہ سن رکھیں کہ ذاتِ ربِّ اکبر غیر فانی ہے
وہ زندہ ہے وہ زندہ ہی رہیگی جاودانی ہے

(۲) بہ صد احساس مجبوری بصد آشفتہ سامانی
وفاتِ مصطفےٰ مانی نہ جاتی تھی مگر مانی

اب میں اپنی کھٹک آپ پر ظاہر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "جاودانی" آپ نے بطور صفت استعمال کیا ہے حالانکہ یہ اسم کیفیت ہے۔
اور یہ دوسرے شعر میں "سامانی" اور "مانی" میں ایطا ہے۔
اور ایطاء ....
امید ہے کہ آپ میری کھٹک کو دور کریں گے۔

جواب ۳ :-

آپ کا پہلا اعتراض سطحی اعتبار سے درست ہے۔ لیکن گہرائی میں جائیں تو اس کی کمزوری واضح ہو جائیگی۔ بلاغت کا اصول ہے کہ اگر کسی صفت پر زیادہ زور دینا ہو تو صفت کی جگہ اسم صفت استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے شاہدِ عادل کی جگہ شاہدِ عدل۔

اللہ کے جو ننانوے اسمائے حُسنیٰ ہیں ان میں ایک نام العدل بھی ہے۔ عادل اسی طرح اسم صفت ہے جیسے جاودانی قاعدۂ عام کے مطابق عادل درست ہوتا مگر دیکھ لیجئے بطور مبالغہ اور بطور تشدید اسم صفت ہی کو صفت بنا دیا گیا۔

انشاء کا اسلوب ہے ــــ "حاتم تیرا دوسرا نام سخاوت ہے!ــــ"

یا ــــ "دنیا تیرا دوسرا نام بے وفائی ہے!ــــ"

یا ــــ "ہٹلر اور سفاکی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں!"

اس طرح کے فقروں میں اسم صفت کو صفت بنا دیا گیا جس سے صفت اور موصوف میں تلازم اور نفسِ صفت میں افراط و کثرت کا اظہار ہو گیا۔ اس پر اعتراض درست نہ ہوگا۔

دوسرا اعتراض بھی تحقیق و نظر پر مبنی نہیں۔ مجھے
معلوم نہیں آپ نے ایطاء (شائگاں) کی پوری بحث کسی مستند
کتاب میں پڑھی ہے یا نہیں۔ اگر پڑھی ہے تو حیرت ہے
کہ اعتراض کیسے کر دیا اور نہیں پڑھی ہے تو مناسب ہے کہ
اب پڑھ لیں۔

ایطاء کی بہت سی نوعیتیں ہیں۔ بنیادی طور پر
ایطاء کہتے ہیں اِس عیب کو کہ حرفِ روی جس لفظ کا
جزوِ اصلی ہو وہ لفظ مطلع کے دونوں مصرعوں میں ایک ہی
صورت اور ایک ہی معنی میں استعمال کر لیا جائے۔
جیسے گلستاں اور بوستاں۔ ان میں حرف روی الف ہے
اور یہ جزو ہے "ستاں" کا۔ کسی مطلع کے ایک مصرع میں
گلستاں اور دوسرے میں بوستاں قافیہ ہو تو یہ ایطاء
ہے کیونکہ ستاں دونوں جگہ قطعاً ایک معنی اور ایک شکل
میں استعمال ہوا اور اس سے قبل کے الفاظ گل اور بو
ہم قافیہ نہیں ہیں۔

اس کے باوجود شعراء کے ایسے شعر لٹریچر میں موجود
ہیں جنہیں گلستاں اور بوستاں سے مطلع بنایا گیا ہے۔

بہرحال ایطاء کے لئے صوری مماثلت کے ساتھ
معنوی مماثلت بھی ضروری ہے۔ اگر صرف لفظی یکسانیت
ہو اور معنی مختلف ہوں تو اسے ایطاء نہیں کہیں گے۔

ہمارے معترض فیہ شعر میں حرف روی الف ہے جو
جزو ہے "مانی" کا۔ دوسرے مصرعہ میں "مانی" ماننا سے
واحد کا صیغہ ہے جس کا مفہوم ہے تسلیم کرنا۔ اس کے برخلاف
پہلے مصرعہ میں "مانی" مستقل بالذات لفظ ہے ہی نہیں بلکہ وہ
جزو ہے "سامانی" کا۔ سامان اسم ہے اور یا کے ذریعہ اسے
صفت بنا لیا گیا ہے جیسے بددل سے بددلی اور کم تر سے
کم تری۔ لفظ سامان سے اگر مان کو الگ کر لیا جائے تو وہ
مہمل رہ جاتا ہے کوئی بھی معنی نہیں دیتا لہٰذا دونوں مصرعوں میں
لفظ "مانی" بہ اعتبار معنی مرادف اور مماثل نہیں ہوا۔ پھر ایطاء کیسا۔

علاوہ اس کے یہ بھی خیال رہنا چاہئے کہ بعض عیوب
باوجود مسلم ہونے کے اہلِ زبان میں بار پا جاتے ہیں اور انھیں
جائز سمجھا جاتا ہے۔ جیسے غلو کا عیب۔ فارسی کا مشہور شعر ہے

صلاحِ کار کجا و منِ خراب کجا
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

خراب میں حرف با ساکن ہے اور اسے تمام قوافی میں
ساکن ہی رہنا چاہئے۔ جواب۔ کتاب۔ حساب یہ ہیں صحیح
قافیے۔ تاب بھی صحیح ہے جب کہ یہ سکت یا چمک دمک کے
معنی میں ہو کیونکہ اس صورت میں با ساکن ہوگی۔ مگر یہاں
دوسرے مصرعہ میں تا الگ لفظ ہے اور ب الگ حرف جو
متحرک ہے۔ اسی کو اصطلاحاً غلو کہتے ہیں۔

مومن کی غزل کا مطلع ہے:-

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آجائے

قرار اور یار میں حرف را ساکن ہے۔ قوافی ہوں گے
مزار۔ فگار۔ شعار۔ بہار وغیرہ۔ مگر مومن اسی غزل کا
مقطع فرماتے ہیں:-

حسنِ انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال
یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

یہاں مار کی را پر فتح آگیا اور قافیہ کی مٹی پلید
ہوگئی۔ پھر مومن جیسا استاد اس "غلو" کو استعمال کر رہا ہے
تو اعتراض آسان نہیں۔ بات دین و شریعت کی ہو تو کسی
کی بھی استادی کو بہ دلائل چیلنج کیا جا سکتا ہے لیکن زبان
اور قواعدِ شعری کا معاملہ ہے جس کا تعلق وحی سے نہیں لہٰذا
مومن کے خلاف ہم کیا دلیل لاسکیں گے جب کہ فنِ شعری
میں وہ خود سند ہیں۔

اس تھوڑی سی تطویل کا منشاء یہ ہے کہ اعتراض
میں جلدی نہ کیجئے۔ ہمارے معترض فیہ شعر میں تو ایطاء
کا عیب ہے ہی نہیں لیکن کہیں کوئی عیب بھی مل جائے تو
یہ ضرور تفحص کر لیجئے کہ کہیں وہ اس درجے کا عیب تو نہیں
جسے اہلِ زبان ضرورۃً جواز دے لیتے ہیں۔

ویسے یہ خوش فہمی ہمیں ہرگز نہیں کہ:-
"مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔"

دودھ کی شرکت

سوال :- از

عائشہ کی ماں ساره نے زید کو دودھ پلایا جب کہ زید لگ بھگ ایک برس کا تھا۔ سارہ کو نہ اس کے خاوند نے نہ زید کے باپ یا ماں یا کسی اور نے دودھ دینے کو کہا تھا اور نہ مجبوری تھی کہ زید کو دودھ پلایا جائے اور نہ کسی نے دیکھا خیر زمانہ گذرتا گیا اور ہمارے بڑوں کو کوئی خبر نہ تھی۔ اسی طرح عائشہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا اور حالات وہی تھے جن کا ذکر ہوا یعنی کسی کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی پوچھا گیا تھا۔ پھر یہ جوان ہو گئے اور شادی کا قصہ عمل پڑا لیکن جب معلوم ہوا کہ عائشہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا تو رشتہ ختم۔ پھر ہمارے یہاں ایک پیر صاحب آئے تو انھوں نے حالات سنکر بتایا کہ زید کا نکاح عائشہ کی بڑی بہن فاطمہ سے ہو سکتا ہے۔ سارہ مذکورہ نے دودھ مذکورہ کا قصہ بتایا تو پیر صاحب نے کہا کہ زید نے عائشہ کے زمانۂ رضاعت میں دودھ پیا ہے اس لئے اب سارہ کی بڑی لڑکی فاطمہ کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے تو پھر سارہ مذکورہ نے بڑوں کو نہ بتایا اور پھر شادی ہو گئی۔

اب چار سال ہوئے ہیں ایک بچہ ہو کر مر گیا ہے۔ دوسرا گود میں ہے اور زید۔ نے رشتے کے متعلق شک کا اظہار کیا ہے۔ اب آپ سے عرض ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ کے تحت ذیل کی باتوں کا جواب مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ کیا یہ رشتہ شرعاً جائز ہے؟ ۲۔ کیا بلا پوچھے بلا کہے اور بغیر کسی اجازت اور بغیر کسی ضرورت کے اور بغیر کسی شہادت کے دودھ دینے یا پینے سے رشتہ حرام ہو جاتا ہے؟

جواب :-

پیر صاحب نے خلاف شرع مشورہ دیا۔ زید جب سارہ کا دودھ پی چکا ہے تو سارہ کے تمام بیٹے بیٹیاں اس کے دودھ شریک بھائی بہن ہو گئے۔ بارہا ہم واضح کر چکے ہیں کہ دودھ پلانے سے فقط وہی بچہ یا بچی رضاعی بھائی یا بہن نہیں بنتا جس کے زمانۂ رضاعت میں دودھ پلایا گیا ہے بلکہ دودھ پلانے والی عورت کی اگلی پچھلی تمام اولاد سے اس بچے کا رشتۂ رضاعت قائم ہو جاتا ہے جسے دودھ پلایا گیا ہے عقل پر ذرا سا زور ڈالا جائے تو ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کن افراد کے خون میں ایک ہی عورت کا دودھ شامل ہو گیا ہے۔

مثلاً۔ عارفہ کے بطن سے ایک بچی نجمہ پیدا ہوئی اور اسی کو دودھ پلانے کے زمانے میں اس نے کسی اور کے بچے زید کو اپنا دودھ پلا دیا۔ یہ دودھ تھوڑا سا پلایا یا زیادہ۔ کسی کے کہنے سننے پر پلایا یا بس اپنی مرضی سے۔ سب کے سامنے پلایا یا چپکے سے۔ ان باتوں کا کوئی اثر اصل مسئلہ پر نہیں پڑتا۔ کیونکہ دیکھا صرف یہ جائے گا کہ دودھ بچے کے حلق سے اتر گیا یا نہیں۔ اگر اتر گیا تو اب کھلی [illegible] ہے کہ عارفہ کے جتنے بھی بچے ہیں خواہ وہ پہلے یا بعد جب [illegible] بھی پیدا ہوئے ہوں ان سب کے لہو میں عارفہ کا دودھ شامل ہے لہذا زید ان سب کا دودھ شریک بھائی ہو گا۔ ہاں زید کے دوسرے بھائی بہن عارفہ کی اولاد سے یہ رشتہ نہیں رکھیں گے کیونکہ ان میں سے کسی نے عارفہ کا دودھ نہیں پیا لہذا عارفہ کی کسی بھی بیٹی کا نکاح زید سے تو قطعاً حرام ہوا مگر زید کے بھائی طلحہ یا فاروق سے سراسر جائز ہو گا اور اسی طرح عارفہ کے لڑکوں کا نکاح زید کی تمام بہنوں سے درست ہو گا۔

شہادت کا معاملہ البتہ تفصیل طلب ہے۔ شہادت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کہ واقعے کے پیش آنے میں اختلاف اور شک ہو مثلاً عائشہ کہے کہ میری نانی سارہ نے زید کو دودھ پلایا ہے اور سارہ کہے کہ یہ غلط ہے میں نے نہیں پلایا۔ تو یہ صورت شک کی ہے۔ اسی طرح بہت سی شکلیں شک کی پائی جا سکتی ہیں۔ ان سب میں شریعت نے شہادت اور ثبوت کے قواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔ آپ نے اپنے سوال میں شک والی کوئی بات نہیں لکھی

بلکہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارہ کا زید کو دودھ پلانا یقینی واقعہ ہے۔ خود سارہ معترف ہے کہ میں نے زید کو دودھ پلایا ہے۔ یہ اعتراف کافی نہ ہوتا اگر خاوند یا بعض قریبی رشتہ دار یہ کہتے کہ سارہ جھوٹ بول رہی ہے۔ دودھ ہرگز نہیں پلایا۔ لیکن یہاں یہ حضرات جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ نہ تو ہم نے دودھ پلانے کا مشورہ دیا تھا نہ ہمیں دودھ پلانے کی خبر ہے تب بھی شک کی صورت نہیں نکلتی کیونکہ دودھ پلانے والی خود مقر ہے اور اس اقرار کو چیلنج نہیں کیا جارہا ہے۔

ہاں اگر کوئی وجہ ایسی ہو جس کی بنا پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہو کہ سارہ جھوٹ بول رہی ہے تب شہادۃ اور ثبوت کا سوال کھڑا ہوگا۔ مگر آپ کا سوال نہیں بتاتا کہ ایسے شبہ کی وجہ موجود ہے بلکہ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ دودھ پلانا سب کے علم میں ہے۔

لہذا ... حدر استراب شریعت کی تعمیل کا یہ ہے کہ میاں بیوی (ذاکمہ اور زید) الگ ہو جائیں۔ ان کا آپس میں تعلق رکھنا ایسا ہی ہے جیسے سگے بھائی اور بہن کا تعلق رکھنا۔

جو بچہ گود میں ہے وہ باپ (زید) کا وارث ہوگا یا نہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ مولانا اشرف علیؒ کا فتویٰ تو یہ ہے کہ وارث نہ ہوگا۔

فتاویٰ کی مشہور کتاب ردّ المحتار میں مجمع الفتاویٰ سے نقل کیا گیا ہے نکح کافرٌ مسلمةً فولدت منه لا يثبت النسب منه۔ جلد ۲ صہ ۵۴۴ (کافر مرد نے مسلمان عورت سے نکاح کیا۔ پھر اولاد ہوئی تو اس اولاد کا نسب باپ سے ثابت نہ ہوگا)

کیوں نہ ہوگا۔ اس کی بھی وجہ یہیں واضح کردی گئی ہے کہ یہ نکاح باطل ہے اور باطل نکاح نہ ہونے کے ہم معنی ہے لہذا مجرد زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

اسی ردالمحتار میں ہے لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم جلد ۳ صہ ۵۴۴ (جو رشتے اللہ نے حرام کردیئے ہیں ان میں نکاح کیا جائے تو اولاد ثابت النسب نہ ہوگی اور عدت کی بھی ضرورت نہ پڑے گی)

اس کے برخلاف فتاویٰ عالمگیری سے فتویٰ ملتا ہے کہ نسب ثابت ہوگا۔

رجل مسلم تزوج بمحارم فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابي حنيفة خلافاً لهما بناءً على ان النكاح فاسد عند ابي حنيفةؒ باطل عندهما - كذا في الظهيرية

ایک مسلمان مرد نے ان عورتوں میں سے کسی سے نکاح کیا جو شرعاً اس پر حرام ہیں اور ان کے اولاد ہوئی تو یہ اولاد ثابت النسب ہوگی ابوحنیفہؒ کے نزدیک برخلاف صاحبین کے۔ وہ کہتے ہیں کہ ثابت النسب نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو ایسا نکاح فاسد ہے باطل نہیں اور صاحبین کے نزدیک باطل ہے (یعنی کالعدم) ایسا ہی ظہیریہ میں تحریر ہے۔

نیز

ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كانا يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً عند ابي حنيفةؒ۔
(فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل صہ ۵۴۰)

نیز

اور اگر مرد نے بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس سے پہلے کہ مطلقہ کسی اور سے نکاح کرکے طلاق پائے اس مرد نے اس سے نکاح کرلیا جس کے نتیجے میں اولاد پیدا ہوئی تو دو شکلیں ہیں یا تو یہ کہ یہ میاں بیوی اس نکاح کے فاسد ہونے کا علم رکھتے ہوں یا یہ کہ علم ہی نہ رکھتے ہوں۔ اگر دوسری شکل ہے تو سب کے نزدیک نسب ثابت ہوگا اور پہلی شکل ہے تو صاحبین کے نزدیک ثابت نہ ہوگا مگر ابوحنیفہ کے نزدیک اب بھی ثابت ہوگا۔

ہم ان دو مختلف فیصلوں میں کسی کو ترجیح دینا نہیں چاہتے اہلِ معاملہ کو چاہئے کہ دارالافتاء دارالعلوم یا کسی اور مستند دارالافتاء سے فتویٰ منگائیں۔ البتہ جدائی تو فوراً ضروری ہے۔ میاں بیوی جیسا تعلق قائم رکھنا انتہائی غلط ہے۔

یہ بات گرہ سے باندھ لیجئے کہ شرعی مسائل میں غیر عالم پیروں اور صوفیوں سے کبھی فتویٰ نہیں لینا چاہئے۔

غیر مسلموں کے تہوار اور تقاریب

سوال ۵:- از۔ اے آر خاں۔ (شنندورنی)

(۱) میں ایک کاروباری انسان ہوں۔ میرے تعلقات زیادہ تر غیر مسلموں سے ہیں۔ اُن سے تعلقات بہتر رکھنے ہی میں میرے بیوپار میں ترقی ہو سکتی ہے (نعوذ باللہ) (کاروبار میں ترقی دینا نہ دینا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے تاہم دنیاوی نقطہ نظر ہی مدِ نظر رہتا ہے)

سال میں دو چار مرتبہ ایسا ہوتا ہی ہے کہ ہمارے غیر مسلم برادرانِ وطن اُن کے تہوار اور جشن منانے کیلئے ہم سے بھی چندہ مانگتے ہیں۔ مثلاً گنپتی جلوس یا سیوا جی جینتی وغیرہ کے موقع پر۔

براہِ کرم یہ بتائیے کہ ایسے غیر اسلامی جلوس اور تہوار وغیرہ کے لئے بہ کراہت ہی سہی چندہ دینا کیسا ہے اگر ہم چندہ نہ دیں گے تو اس بات کا امکان بھی ہے کہ غیر مسلمین کا تعصب بڑھ جائے یا بعض اوقات بات جھگڑے پر آجائے۔ میرے خیال میں فی زمانہ ایسے اتفاقات سے سبھی مسلمانوں کو واسطہ پڑتا ہے اس لئے ایسے معاملات بذریعہ تجلی لوگوں کے گوش گذار کرنا بہت ضروری ہے۔

(۲) غیر مسلم بھائیوں کی شادی بیاہ میں صرف عقد خوانی (ان کی رسمِ نکاح) کے موقع پر حاضر ہونا کیسا ہے۔ بعض لوگوں سے تعلقات کی بنا پر ایسے اتفاقات ہوتے ہیں۔

جواب ۵:-

کسی غیر مسلم قوم کا کوئی بھی تہوار ہو، اگر اسکی نوعیت مذہبی ہے اور اس کے عقب میں بُت پرستانہ عقائد پائے جا رہے ہیں تو اسے مالی یا جسمانی تعاون دینا جائز نہیں ہے۔ نرمی اور شائستگی سے معذرت کر دیجئے۔

اور اگر نوعیت مذہبی نہیں تو جائز ہے۔ رہی وہ مصلحت جس کا ذکر آپ نے فرمایا تو بے شک آج کے ماحول میں اس کی اہمیت ضرور ہے پھر بھی کوشش یہی کرنی چاہیئے کہ تعاون سے دامن بچا رہے۔ یہ ایک آزمائش ہے من جانب اللہ۔ جو جیسے کردار کا مظاہرہ کرے گا ویسا ہی بدلہ بھی پا سکے گا۔

(۲) شادی کوئی مخصوص مذہبی رسم نہیں۔ طریقے ہر مذہب و ملت کے الگ الگ ہوں مگر نفسِ شادی ساری نوعِ انسانی کی تقریب ہے، لہٰذا غیر مسلم بھائیوں کی شادیوں میں شرکت درست ہے۔ کھانا پینا بھی درست ہے جب کہ حلال غذائیں دستیاب ہوں۔

مدعی سُست اور گواہ چُست

سوال ۶:- (ایضاً)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جماعتِ اسلامی کے بانی ہیں۔ اس نسبت سے جماعتِ اسلامی ہند کو اُن سے جو تعلق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں اور آپ تو جماعت کے رکن بھی نہیں۔ اس کے باوجود جب مولانا پر کوئی شخص اعتراض کرتا ہے یا ان کی تحریروں میں عیب جوئی کرتا ہے یا ان کو سرے سے عالم ماننے ہی سے انکار کرتا ہے تو آپ کا خون کھولنے لگتا ہے اور پھر تجلی کے دس بیس صفحات اسی بحث کی نذر ہو جاتے ہیں اور جماعت کے کسی بھی رکن کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بلکہ جماعت کے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ معترض کا جواب نہیں دینا چاہیئے۔ مولانا عامر صاحب جو کچھ کرتے ہیں اچھا نہیں کرتے یہ ہماری جماعت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ نے معترض کا جواب دینا اپنا فرضِ اولین قرار دے لیا ہے۔ آپ بھی اگر جماعت کے لوگوں کی طرح چُپ سادھ لیں تو کیا بگڑے گا؟

جواب ۶:-

ہر شخص کو اپنی قبر میں سونا ہے اور اپنا حساب خود دینا ہے۔ جماعتِ اسلامی ہند کے اراکین جو بھی مسلک رکھتے ہیں اس کا حساب آخرت میں انھیں خود ہی چکانا ہے۔ مجھے اس کی کیا فکر کہ ان کا مسلک روا ہے یا ناروا۔

ویسے پاکستانی جماعت اسلامی کا یہ مسلک نہیں۔ تو بانی اور امیر مولانا مودودی نے معترضین کے جواب میں ہزاروں صفحے لکھے ہیں اور بعض اراکین جماعت کی بے شمار جوابی تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔

مئی ۷۳ء کے "آغاز سخن" میں جماعت اسلامی ہند کی طرف کچھ مبہم سے اشارے کئے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ جب یہاں کی جماعت والے یہ کہتے ہیں کہ "معترض کا جواب دینا ہماری جماعت کے اصولوں کے خلاف ہے" تو ان کا مطلب "ہماری جماعت" سے در اصل جماعتِ اسلامی نہیں ہوتا بلکہ وہ گروہ ہوتا ہے جو "جماعتِ اسلامی" کے نام سے ہندوستان میں کام کر رہا ہے۔ اس کے جو بھی اصول ہوں ضروری نہیں کہ وہ اصل جماعتِ اسلامی کے بھی ہوں۔ مولانا مودودی والی جماعتِ اسلامی کا اصول اگر معترضین کے جواب میں مکمل خاموشی ہوتا تو ہزاروں صفحات کا وہ لٹریچر بازار میں نہ آتا جو الزامات و اعتراضات کے جوابات ہی سے عبارت ہے۔

بہر حال یہ تو اپنا اپنا مزاج اور اندازِ فکر ہے۔ ہندوستان کی جماعتِ اسلامی اور ایڈیٹر تجلی دونوں ہی کو مولانا مودودی سے گہرا تعلقِ خاطر یقیناً ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اول الذکر تو اس تعلقِ خاطر کا ثبوت ان کی تصانیف فروخت کر کے دیتی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس خدمت کا نقد صلہ اسے پورا پورا مل رہا ہے مگر ثانی الذکر یعنی نالائق ایڈیٹر تجلی اس تعلقِ خاطر کا اظہار بس ان مونگا فیو کے ذریعہ کر پاتا ہے جن سے بیگانے تو خفا ہیں ہی اپنے بھی خوش نہیں ہیں۔ معلوم نہیں اللہ بھی خوش ہے یا نہیں۔ اگر نصیبِ اعداء وہ بھی خوش نہ ہوا تو بلاشبہ عامر عثمانی کی مٹی پلید ہو گئی۔ لیکن وہ خوش ہو تو پھر بال برابر پرواہ نہیں کہ کون کیا فرماتا ہے اور کسے کس بات پر خفگی ہے۔

ایک مجبوری جماعتِ اسلامی ہند کی اور بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں ایسے افراد بہت قلیل ہیں جو علمی و تحقیقی سطح پر طویل بحثیں کر سکیں۔ جو معدودے چند ہیں وہ ایسی ذمہ داریوں میں گھرے ہوئے ہیں کہ چاہیں بھی تو اس کھائی میں ٹھوکریں کھانے کا وقت نہیں نکال سکتے۔ نالائق مدیرِ تجلی تو شاید پیدا ہی ہوا ہے بحث و نظر کیلئے۔ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔

رہا آپ کا یہ مشورہ کہ ہم بھی جماعتِ اسلامی ہند والوں کی طرح چپ سادھ لیں تو اسے قبول کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ ہم اصلاً حق و صداقت اور علم و معرفت کے وکیل ہیں۔ اپنے علم و فہم کی حد تک علومِ دینیہ کی خدمت اور ظلم کا دفاع ہمارا دائرۂ کار ہے۔ چنانچہ تجلی میں آپ دیکھ ہی سکتے ہیں کہ فقط مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی ہی کی حمایت تک ہماری خامہ فرسائیاں محدود نہیں بلکہ بے شمار گوناگوں مسائل پر ہزاروں صفحات ہم نے سیاہ کئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اپنے زمانے کی مظلوم ترین شخصیت ـــ ابوالاعلیٰ مودودی پر کئے جانے والے غلط اعتراضات کی جواب دہی سے توبہ کر لیں۔ آپ یا جماعتِ اسلامی ہند کے بعض اراکین یا زید عمرو بکر کوئی بھی ہماری روش سے ناخوش ہے تو ہوا کرے۔ وہ اپنے گھر خوش۔ ہم اپنے گھر خوش۔ جنت کی کنجی بہر حال نہ جماعتِ اسلامی کے قبضے میں ہے نہ علمائے دیوبند کے۔ ہوتی تو جنت سنسان ہی رہ جاتی۔

جن جوابات کے سوالات حذف کر دیئے گئے وہ اگلے صفحے سے ملاحظہ فرمائیے

حضورؐ کا سایہ

اس موضوع پر تجلی میں بہت مفصل کلام ہو چکا ہے۔ (تجلی جون ۶۰ء تا اکتوبر ۶۰ء) یہ خیال وعقیدہ بے بنیاد بلکہ صریحاً خلافِ واقعہ ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہ تھا۔ جن بعض روایتوں سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے وہ لائقِ اعتبار نہیں بلکہ بخاری ومسلم جیسی کتابوں میں صحیح وقوی روایات ان کے خلاف موجود ہیں۔ باقی واعظین کرام اپنی ہٹ سے باز نہیں آئیں گے۔ ہٹ بھی کیا۔ یہ تو دراصل ان کا کاروبار بھی ہے اور افتادِ طبع بھی۔ وعظ میں عجائبات نہ ہوں تو سادہ لوح عوام کو مزہ کیا آئے۔ آپ اس چکر میں نہ پڑیئے۔ آخرت میں بہر حال آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم رسول اللہؐ کے سائے کے قائل تھے یا نہیں تھے۔

والدین کے حقوق

والدین کی نافرمانی اور دل آزاری اتنا بڑا گناہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اسے متعدد بار شرک کے متصل بعد رکھا گیا ہے انھیں یہ حق تو اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا کہ اپنے بالغ بیٹے یا بیٹی کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر کر دیں۔ لیکن بیٹے بیٹی کو یہ ہدایت ضرور کی گئی ہے کہ سوائے ان امور کے جن میں خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو تمام امور میں والدین کی فرماں برداری کریں اور اس کے سلسلہ میں کچھ جسمانی یا ذہنی وروحانی تکلیف بھی اٹھانی پڑے تو صبر وشکر کے ساتھ اٹھالیں۔

والدین اگر بعض ایسے عقائد میں مبتلا ہیں جنھیں بیٹا بدعت یا حماقت یا ضلالت سمجھتا ہے تو بیٹے کا یہ فریضہ ضرور ہے کہ نرمی اور ادب کے ساتھ انھیں صحیح عقائد سے آگاہ کرے۔ لیکن ان سے سرتابی اور ان کی دل آزاری پھر بھی جائز نہیں ہے حتی کہ کافر والدین کے حقوق بھی مسلمان بیٹا بیٹیوں سے ساقط نہیں ہوتے۔

گوناگوں صورتوں پر الگ الگ بحث تو ممکن نہیں۔ خلاصہ اتنا ہی سمجھ لینا چاہئے کہ والدین کو دُکھ پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اِلّا یہ کہ خدا کی نافرمانی سے بچنے کے سلسلے میں بدرجۂ مجبوری یہ دُکھ انھیں پہنچ جائے۔

تصویر

ہمارے وہ ہزاروں اکابر جو دین اور دنیا دونوں کے علوم میں استادی اور امامت کے درجوں تک پہنچے وہ بھی کبھی بچے ہی تھے اور ابتدائی کتابیں انھیں پڑھائی گئی تھیں۔ ان کتابوں میں کوئی تصویر نہیں تھی۔ پھر کیا تصویر کے بغیر وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دراصل زمانے کے رجحان کی بات ہے کہ بچوں کی کتابوں میں تصاویر لازمی سمجھی جانے لگی ہیں۔ حالانکہ مثلاً شین سے شیر کے بجائے شین سے شیشہ یا شبنم یا شہد لکھا جائے تو شیر کی تصویر کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اسی طرح گاف سے گھوڑا کیوں ضروری ہو۔ گاف سے گلاس اور گینا۔ اور گلاب بھی تو ہو سکتا ہے۔

زمانۂ قدیم کے اسباق میں بھی پرانے انسانوں کی ذہنی وخیالی تصاویر بالکل غیر ضروری ہیں۔ ہر بات ان کے بغیر ہی سمجھائی جا سکتی ہے۔ دراصل جب کسی شے کی قباحت دل سے نکل جائے بلکہ وہ مستحسن سمجھی جانے لگے تو پھر اس کے گوناگوں استعمالات خود ہی نکلتے چلے آتے ہیں۔ یہی معاملہ تصویر کا ہے۔

رہا پاسپورٹ یا تعارفی کارڈ یا ایسی اشیاء کا معاملہ جن میں فوٹو کی ضرورت وحکمت واضح ہے اور بغیر اس کے کام نہیں چلتا تو ان کے سلسلے میں اسلام اسی طرح اجازت دیتا ہے جس طرح اضطرار کی حالت میں سور اور مردار کھانے کی اجازت دیتا ہے۔

افسانہ نویسی

افسانے اور ناول کا جواز ان کے موضوع مضمون اور مشتملات پر ہے۔ اگر پاکیزہ خیالات اور اخلاقی اسباق اس سلیقے سے پیش کئے جائیں کہ سفلی وشہوانی جذبات

نہ ہوں تو جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔

مہر

مہر کی کوئی رقم شریعت نے مقرر نہیں کی۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ انسانوں کی مالی حالتیں اور اقتصادی حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مہر اتنا ہونا چاہئے جو شوہر کی موجودہ مالی حیثیت کے اعتبار سے نہ تو اتنا کم ہو کہ کوئی اہمیت ہی نہ رکھے نہ اتنا زیادہ ہو کہ ادائیگی محال ہو۔

مہر عورت کے جسم پر تصرف کے حق کی قیمت ہے انصاف کا تقاضا تو بظاہر یہ تھا کہ پوری رقم بوقت نکاح ادا کی جاتی یا کچھ ادا کرتے ہوئے باقی کی قسطیں طے کرلی جاتیں کہ اتنی مدت کے فصل سے ادائیگی ہوتی رہے گی لیکن دوسرے معاملاتِ بیع وشریع کی طرح شریعت نے اس معاملے میں بھی آزادی بخشی ہے کہ فریقین اگر فوری یا قسط وار ادائیگی کے بجائے قرض پر راضی ہوگئے ہیں تو قرض ہی معاملہ کرلیں۔ اسی لئے مہر کی دو قسمیں ہوگئی ہیں۔ ایک معجّل دوسری مؤجّل۔

معجّل نام ہے فوری ادائیگی کا اور مؤجّل کی اصطلاح ایسی تمام شکلوں کو حاوی ہے جن میں فوری ادائیگی نہ ہو۔

مسلمانوں میں عام رواج یہ ہے کہ مہر مؤجّل کا مطالبہ عورت یا تو طلاق ملنے پر کرسکتی ہے یا شوہر کی موت پر۔ اگر کسی عورت کے سرپرست یہ چاہیں کہ شادی کے بعد کسی بھی وقت مہر طلب کرنے کا حق عورت کو میسر رہے تو وہ نکاح سے قبل شوہر سے اس طرح کا عہد نامہ کرسکتے ہیں۔ شوہر اگر اس پہ راضی ہوگیا اور وعدہ لکھ کر دیدیا تو عورت بلاشبہ ہر وقت مطالبے کی حق دار رہے گی۔ لیکن اگر ایسا کوئی معاملہ طے نہیں پایا تو اعتبار رواج کا کیا جائے گا اور عورت مذکورہ دو صورتوں ہی میں مہر کا دعویٰ کرسکے گی۔

جہاں تک مرد کا تعلق ہے اسے صدق دل سے یہ ارادہ رکھنا چاہئے کہ مہر ادا کرے گا۔ یہ جو عام ذہنیت پیدا ہوگئی ہے کہ "کون دیتا ہے کون لیتا ہے" یہ اسلامی ذہنیت نہیں۔

عید کے دن مصافحہ اور معانقہ

مصافحہ اور گلے ملنا اظہارِ تعلق کے اسلوب ہیں۔ ان دونوں کا ثبوت احادیث سے بھی ملتا ہے لہٰذا ان کو برتنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن کسی خاص وقت میں ان کا التزام ثابت نہیں اس لئے لازم نہیں سمجھ لینا چاہئے۔

نماز عید پڑھ کر ہر مسلمان ہر مسلمان سے گلے ملے یا مصافحہ کرے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ جو افراد گرمجوشی کا اظہار کرنا چاہیں وہ بشوق کرسکتے ہیں مگر جو نہ چاہیں ان پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

مختلف مسالک کا معاملہ

احناف، شوافع، اہلِ حدیث وغیرہ بلاشبہ ایکدوسرے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ جن صورتوں میں کہ ایک مسلک والے کے نزدیک وقتِ نماز ابھی ہوا ہی نہ ہو اسے شرکتِ نماز سے پرہیز کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہؓ اور ناچ گانے

بعض خوش فکروں کو یہ تو خوب یاد رہتا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا ناچ دکھایا تھا مگر یہ انہیں بالکل یاد نہیں کہ حضرت عائشہؓ اس وقت کم عمر تھیں۔ اور یہ تو بھلا وہ کیسے یاد رکھتے کہ حضرت عائشہؓ کا اسوہ بڑے ہوکر یہ تھا کہ ناچ گانا تو درکنار وہ اونٹ کے کجاوے یا گردن یا پیروں میں بندھی ہوئی گھنٹیوں تک کی "موسیقی" سے بیزاری کا اظہار فرماتی تھیں اور عورتوں کا گھونگرو باندھنا بھی ان کے نزدیک ناپسندیدہ تھا۔

ارے بھائی۔ ناچ گانے کے مزے لوٹنے ہی ہیں اور تھیٹر سنیما دیکھنا ہی ہے تو امت کی ماں کی قبر میں چھلانگ

کیوں لگاتے ہو۔ ڈٹ کر یہ نعرہ لگاؤ کہ :-

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

شب قدر

یہاں جس وقت رات ہوتی ہے امریکہ میں دن۔ پھر آپ کو اس سے تشویش کیوں۔ آپ بیک وقت دونوں جگہ تو ہونگے نہیں جہاں پائے جارہے ہو وہیں کی تاریخ اور وقت کے اعتبار سے شب قدر ڈھونڈیئے۔ مل جائے تو کیا کہنے۔ نہ ملے تو بہر حال تلاش کا ثواب پھر بھی ملے گا۔

طلاق

ایک طلاق دیکر زید نے رجوع کر لیا تو رجوع بیشک درست لیکن یہ ایک طلاق اس کی فردِ عمل میں لکھی گئی۔ آئندہ اگر پھر ایک دے کر رجوع کرے گا تو دو طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد چاہے جب بھی ایک طلاق دے یہ تیسری شمار ہو گی اور اب رجوع ممکن نہ ہو گا۔

دیوبندی اور اہل حدیث سب کافر

بریلوی مکتبِ فکر کے غالی مفتی ہم دیوبندیوں کو اور اہلِ حدیث حضرات کو کافر قرار دیتے ہیں یہ پرانی بات ہوئی آپنے خواہ مخواہ ان سے فتویٰ حاصل کیا۔ پھر یہ فرمائش تو اور بھی لاحاصل ہے کہ ہم اسے شائع کر کے ہدفِ تنقید بنائیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

کس کس کی ناک میں نکیل ڈالئے گا۔ ہر گروہ اپنی جگہ مگن ہے کہ میں ہی حق پر ہوں۔ اب قیامت ہی سب کے مابین فیصلہ کرے گی۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش

حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس کا عقلی ثبوت تو وہ ڈھونڈے جسے یہ بات خلافِ عقل معلوم ہوتی ہو۔ ہم تو نہیں سمجھ سکے کہ اس میں خلافِ عقل کیا چیز ہے۔ حضرت آدمؑ تو باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا کئے گئے تھے۔ اگر یہ خلافِ عقل نہیں تو صرف باپ کے بغیر پیدا ہونا خلافِ عقل کیوں؟

خلافِ عقل نہیں بلکہ قانونِ طبعی کے خلاف کہئے۔ آپ مسلمان ہیں اس لئے معجزات کے قائل بھی ہوں گے۔ قانونِ طبعی کے مستثنیات ہی کا نام معجزہ ہے عقل بھی معجزات کی مخالف نہیں کیونکہ عقل ہی ہمیں یہ استدلال عطا کرتی ہے کہ جو خدا اعدمِ محض سے اتنی بڑی کائنات نکال سکتا ہے اور اس کے لئے قوانین وضع کر سکتا ہے وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے کسی قانون کی کارکردگی کو روک دے اور کسی جدید تکنک سے کام لے۔

سائنس انسانی خلیوں کی ساخت اور ان تمام اجزا کو دریافت کر چکی ہے جو ذی روح اجسام میں پائے جاتے ہیں لیکن ان تمام اجزار کو الگ سے یک جا کر کے وہ زندگی تخلیق نہیں کر سکتی جس سے ثابت ہوا کہ روح اور زندگی صرف اجزار کے اجتماع سے عبارت نہیں بلکہ وہ کوئی اور شے ہے۔ قرآن اس شے کو "امرِ ربی" کا نام دیتا ہے۔ آپ قرآن کو نہ مانیں تب بھی اس استدلال کی معقولیت آپ کو ماننی ہوں گی کہ جو عظیم قدرت والی ہستی منی کے چند حقیر قطروں سے انسان جیسی مخلوق پیدا کر سکتی ہے وہ یہ بھی کر سکتی ہے کہ تنہا عورت کی منی سے انسان پیدا کر دے۔ سوال بس اتنا ہے کہ اس امکان کے وقوع کا تشفی بخش ثبوت مل جائے۔ قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر قوی ترین عقلی دلائل موجود ہیں لہٰذا اس میں دی ہوئی یہ خبر بھی عقلاً ہی لائقِ تسلیم ہو گی کہ حضرت عیسےٰؑ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے۔

رہی کٹ حجتی تو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لاکھوں اشخاص خدا کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور اس طرزِ عمل کو عین معقولیت قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا "میں نہ مانوں" کا کوئی علاج نہیں ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے پیدائش تو بعد کی بات ہے آپ ان سے یہ بھی نہیں منوا

سکتے کہ چاند اور سورج خدا کے پیدا کردہ ہیں۔

پیدائشی سعید و شقی

بلاشبہ حدیث میں اس کی اطلاع دی گئی ہے کہ انسان پیدائشاً ہی شقی بھی ہوتا ہے اور سعید بھی۔ لیکن اس میں تشویش کی کیا بات ہے۔ کیا آنجناب تقدیر کے قائل نہیں ہیں؟ یعنی کیا آپ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ بندے اپنی پوری زندگی میں جو کچھ بھی کریں گے اللہ کو اس کا پہلے ہی سے علم ہے۔ اگر رکھتے ہیں تو اس کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ جس شخص کو اپنی بداعمالیوں کے باعث بُرا بننا ہے اسکے برے اور شقی ہونے کا علم پہلے ہی سے اللہ کو ہے اور جسے اچھے اعمال کی بنا پر بھلا (سعید) بننا ہے اس کا بھی علم اللہ کو پہلے سے ہے۔ اللہ نے اپنے علم کو اگر کسی لوح یا کاغذ یا کسی اور شئے میں ثبت کر دیا ہو تو اس میں خلاف عقل کیا ہے اور اسی کو تقدیر کہا جائے، تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ جس آدمی کو جیسا بھی بننا ہے وہ سب کتابِ تقدیر میں موجود ہے۔

یہی مراد ہے حدیث کی۔ یہ مراد نہیں کہ ذات پات کی طرح آدمی کو شقاوت کے پنجے سے نکلنے اور سعادت کی فرودگاہ میں داخل ہونے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ آدمی اختیار دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ بھلائی یا برائی اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے۔ اگر اس نے زندگی کے بڑے عرصہ میں تو نیک کام کئے مگر آخر عمر میں کوئی کام ایسا کر ڈالا جو ساری نیکیوں پر پانی پھیر دینے والا ہو۔ مثلاً کافر ہو گیا یا والدین کو شدید ایذا پہنچائی یا ناحق کسی کو قتل کر ڈالا تو وہ شقی ہی کہلائے گا اور اس شقاوت کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس۔ لہٰذا حدیث کے الفاظ یسبق علیہا الکتاب کا مطلب یہ نہیں کہ وہ از روئے تقدیر ایسا کرنے پر مجبور تھا بلکہ یہ ہے کہ اپنے اختیار کو جس شکل میں بھی اس نے استعمال کیا اللہ اس سے پہلے ہی باخبر تھا اور اس واقفیت کو درجِ کتاب کر دیا تھا۔

(کتاب سے مراد نوشتۂ تقدیر ہے)

افسوس ہے کہ بعض واعظ حدیث تو بیان کر دیتے ہیں مگر اس کی ٹھیک ٹھیک شرح و وضاحت نہیں فرماتے جس کی وجہ سے وسوسوں کو شہ ملتی ہے۔

نمازِ عید کا ایک عجیب مسئلہ

زید جہاں رہتا ہے وہاں ۲۹ رمضان کو چاند نہیں دیکھا جا سکا لہٰذا اگلے دن اس نے روزہ رکھا۔ روزے ہی کی حالت میں وہ قریب کے کسی شہر میں نمازِ عید کی امامت کے لئے بلایا گیا۔ اس شہر میں رویتِ ہلال ہو چکی تھی اور آج عید تھی۔ زید نے باوجود روزہ دار ہونے کے عید کی نماز پڑھائی اور بعد نماز لوگوں کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ میں اپنی نمازِ عید کل پڑھوں گا۔ آپ لوگوں کی نماز ہو گئی کیونکہ اس کی بھی ایک حدیث ہے۔

اس مسئلے میں ہم کیا کہیں۔ ہماری محدود نظر سے کتبِ فقہ میں یہ جزئیہ نہیں گذرا نہ ایسی کوئی حدیث ہمیں مستحضر ہے لہٰذا بہتر ہوگا کہ زید ہی سے حدیث کا نہ صرف حوالہ پوچھا جائے بلکہ اسے اصل کتاب میں دیکھ بھی لیا جائے۔

ہم اس باب میں اپنے کو فیصلہ کن جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں پاتے۔

ایک مستند، مفصّل اور ضخیم پرور سیرتِ رسولؐ

سیرتِ حلبیہ (اُردو)

اُردو میں سیرت کی بہت کتابیں موجود ہیں جو اپنی جگہ بیش قیمت ہیں لیکن اب سے تقریباً تین سو برس پہلے کے ایک عالم علی ابن بُرھان الدّین حلبیؒ کی سیرتِ حلبیہ اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے، اس لئے جناب محمد اسلم قاسمی نے اسکے اردو ترجمہ کا اہتمام کیا اور کم استطاعت عوام تک پہنچانے کے لئے اسے قسط وار چھاپنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ابتک ۲۱ قسطیں چھپ چکی ہیں اور ہر دوسرے مہینے قسط آجاتی ہے۔

خریداری کا آسان طریقہ

آپ ایک روپیہ بھیج کر ممبر بن جائیں۔ فوراً آپ کو پہلی دو قسطیں ڈاک خرچ معاف کر کے صرف پانچ روپے ۲۰ پیسے (۵/۲۰) کی وی پی سے بھیج دی جائیں گی۔ ہر دوسرے مہینے اگلی دو قسطیں اسی طرح پیش کی جائیں گی آپ چاہیں تو بجائے دو ماہ کے ایک ماہ بعد کا پروگرام بنالیں۔ ۲۱ قسطیں چونکہ موجود ہیں اس لئے انھیں آپ کی مرضی کے مطابق آپ ہی کے بتائے ہوئے وقت پر بھیجا جا سکتا ہے۔ آپ چاہیں تو ایک وقت میں دو سے زائد بھی طلب فرما سکتے ہیں۔ البتہ جب شائع شدہ قسطیں آپ تک پہنچ جائیں گی تو اس کے بعد ہر قسط دو ماہ بعد ہی حاصل کر سکیں گے۔

امید ہے کہ اہلِ ذوق اس سلسلے سے فائدہ اٹھائیں گے۔

تجلّی کے چند مخصوص نمبر

آپ آج بھی حاصل کر سکتے ہیں

ڈاک نمبر بہت سے اہم سوالوں کے مفصّل اور ایمان افروز جوابات۔ اس نمبر میں صرف پانچ مضامین ہیں "آغازِ سخن" (عامر عثمانی) "جماعتِ اسلامی کی دعوت" (مولانا مودودی) "تجلّی کی ڈاک" (عامر عثمانی) "ایک کہانی ایک حقیقت" (عامر عثمانی) "مسجد سے میخانے تک" (مُلّا ابن العرب مکی)، قیمت — سوا روپیہ (۱/۲۵)۔

خاص نمبر ۱۹۶۳ء نوع بنوع مضامین۔ دقیق بحثیں۔ دلکش مواد — قیمت — ڈیڑھ روپیہ (۱/۵۰)۔

حاصلِ مطالعہ نمبر گوناگوں موضوعات پر نہایت قیمتی مضامین۔ اس کے تین مضامین تو بہت ہی مقبول ہو چکے ہیں۔ (۱) اسلامی تزکیۂ نفس (مولانا مودودی)، (۲) جماعتِ اسلامی کیسے قائم ہوئی (خورشید احمد) (۳) شیخ عبداللہ کے خطوط۔ صفحات ۲۴۲۔
قیمت — ساڑھے تین روپے (۳/۵۰)۔

خاص نمبر ۱۹۶۹ء اس نمبر کا بڑا حصہ ان اعتراضات کے تحقیقی اور علمی جوابات پر مشتمل ہے جو مولانا مودودی پر کئے جاتے رہے ہیں۔ اس کی قیمتی بحثوں کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا۔ صفحات ۳۳۸ چار روپے

سالنامہ ۱۹۷۱ء چار سو سے زائد صفحات کا یہ ضخیم نمبر بہت نفیس چیز ہے۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔
قیمت — چھ روپے۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

تکبر یا عزتِ نفس؟

ہفت روزہ "نیورا" (مالیگاؤں) کا ایک اداریہ نقل ہے۔ مقصود مولانا مودودی کی مدح یا مولانا دریابادی کی ذم نہیں۔ چونکہ اس اداریہ میں فاضل اداریہ نگار نے بڑی تلاش سے ایک خاص موضوع کا مواد جمع کردیا ہے لہذا ہمیں مناسب معلوم ہوا کہ یہ قارئین تجلی تک بھی پہونچ جائے عنوان سمیت حرفاً حرفاً نقل ہے ——— (ادارہ)

مؤرخہ ۶ اگست ۱۹۷۳ء بروز پیر

شیشے سے نازک حساسیت......

......مولانا دریاآبادی کی خدمت میں!

مولانا دریاآبادی اپنے مؤقر جریدے "صدق جدید" میں رقمطراز ہیں:—

بے محل رجز خوانی (ماہنامہ تجلی دیوبند) میں کسی پاکستانی جریدے سے منقول:—

"میں بھٹو صاحب سے کہتا ہوں کہ میں آپکی پیدائش سے کئی دس سال پہلے سے ہی پبلک لائف میں موجود ہوں۔ میری کتابیں لاکھوں کی تعداد میں گھر گھر پھیلی ہوئی ہیں۔ صرف اس ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک میں برسوں سے ان کی اشاعت بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ آپ دس سال کبھی پروپیگنڈا کریں تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بشرطیکہ آپ دس سال تک برسر اقتدار رہ سکیں۔ مجھے آپ کے پروپیگنڈہ کی ذرہ برابر پروا نہیں میں اس کا نوٹس تک نہیں لیتا" ——— یہ رجز خوانی سیاسی لیڈروں کو تو بے شک زیب دیتی ہے، ان کا یہ روزمرہ ہے۔ بلکہ اس سے کبھی بڑھ کر۔ لیکن ایک دینی پیشوا، ایک مفسر قرآن ایک داعی اقامت دین کے بھی شایان شان ہے؟ دنیا جانتی ہے "صدق" مولانا مودودی کے مخالفین و معاندین میں نہیں، ان کو ایک بہترین خادم دین سمجھتا ہے، ان کی خدمات دین سے خوش ہونے والا، ان کی کامیابیوں پر انھیں مبارکباد دینے والا، لیکن خیال گزرا ہے کہ ہر تھوڑے دنوں کے بعد ان کی زبان سے ایسے ہی نقرے سنکر دل ہٹ جاتا ہے اور عقیدت کو اچھی خاصی ٹھیس لگ جاتی ہے۔ اپنی شخصیت و مرجعیت پر تو یا خدا انسان کو اور زیادہ جھک جانا چاہیئے نہ کہ اس میں کسی قسم کا بھی ترفع انانیت، خود نمائی، خودستائی کا شائبہ بھی پیدا ہو"۔

ہمیں مولانا موصوف کی یہ تنقید اور تبصرہ پڑھکر حیرت ہوئی کہ آخر کون سی ایسی بات مولانا مودودی کے جملوں میں کہہ دی گئی کہ جس سے مولانا دریاآبادی کی عقیدت مجروح ہو گئی۔ آخر ایسے دین کے دشمنوں کے سامنے جنھوں نے خدا سے بغاوت کرکے اپنا ایک طاغوتی نظام مخلوق خدا پر مسلط کر رکھا ہو اور اپنے جبروت اور قوت اقتدار سے اللہ کا کلمہ بلند

کرنے والوں کو جبر و استبداد کے شکنجوں میں کس دیا ہو جنکی چیرہ دستیوں سے غیر تو کیا اپنے بھی نالاں ہوں۔ مولانا مودودی نے اگر ان کے سامنے زندگی کے ایسے رخ کو پیش کیا جس سے دین کی خدمت اور اللہ پاک کے خصوصی فضل کا، جو اس نے اپنے اس بندے پر کیا ہے، اظہار ہوتا ہے تو آخر اس کو کبر و غرور پر ہی کیوں محمول کیا جاتا ہے؟ آخر یہ تحدیث نعمت کیوں نہ ہو جس کو قرآن واما بنعمة ربك فحدث (اپنے رب کی نعمتوں اور فضل کو بیان کرو) سے تعبیر کرتا ہے۔ آخر قرآن ہی میں تو ہے کہ جب کفار نے حضورؐ کی دعوت کا انکار کیا اور ساحر و مجنوں کہا، مسیلمیں اور ایذائیں دیں تو آپ نے فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (میں تم میں ایک عمر ٹھیر چکا ہوں، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟) — یہاں حضور صلی اللہ علیہ سلم نے اپنی زندگی کے اعلیٰ اخلاقی نمونہ کی طرف ہی تو اشارہ فرمایا کہ آخر ایسے شخص کی دعوت کا انکار تم کیسے کرتے ہو، کیسے اس کو ساحر و مجنوں کہتے ہو جس کی زندگی اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ پیش کرتی ہو؟ — اسی اسوہ کا اتباع اگر ایک داعی دین نے کیا جس کا وہ سب سے زیادہ مستحق بھی ہو تو آخر یہ فخر و غرور کیسے بن گیا؟ یہی نہیں بلکہ جلیل القدر ہستی حضرت امام شافعیؒ کا واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہو جسکو مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے نقل فرمایا ہے:-

"ایک دفعہ امام شافعی نے ایک حجام کو بال ترشنے کے لئے بلایا، دوسری طرف سے شہزادہ نے آواز دی۔ حجام یہ سوچکر کہ شہزادہ زیادہ اجرت دیگا اور یہ شخص خود ہی بوسیدہ کپڑوں میں ہے لہٰذا اس نے امام کی طرف توجہ دی، جب شہزادہ چلا گیا تو یہ حجام پھر امام کے پاس آیا۔ امام نے بال ترشوانے، بعد شہزادہ سے کئی گنا زیادہ اجرت دی۔ حجام حیرت زدہ ہو گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر دو شعر پڑھے ؎

علیّ ثیاب لو یباع بمثلها	بفلس لکان الفلس منهن اکثر
وفیهن نفس لو یقاس ببعضها	جمیع الوریٰ لکانت اجل اکبر

(میرے جسم پر کپڑے تو ایسے ہیں کہ اگر ایک پیسے کے عوض بیچے گئے تو پھر بھی وہ ایک پیسہ زیادہ رہے گا مگر ان کپڑوں میں ایسا دل ہے کہ اگر تھوڑا حصہ پوری مخلوق کے مقابلہ میں لایا گیا تو یہ تھوڑا حصہ ہی بھاری رہے گا"۔

موقع و محل سے ان اشعار کو الگ کر کے دیکھئے تو فخر و غرور، تعلی و تکبر کا وہ انداز معلوم ہو گا جس کا عشر عشیر بھی مولانا مودودی کے جملوں میں نہیں ہے — مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی کتاب "تحذیر الناس" لکھی تو ایک حلقہ کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی۔ انہیں دنوں حضرت نانوتوی کا سفر رامپور پیش آیا۔ یہاں ان عبارتوں پر چہ میگوئیاں زیادہ تھیں۔ مولانا نے ایک تقریر کی اور وہاں کے فلسفیانہ ماحول کی وجہ سے قدرتی طور پر تقریر کا عنوان رد فلسفہ و فلاسفہ تھا۔ مولانا نے ایک موقعہ پر فرمایا "لوگ گھروں میں بیٹھ کر چہ میگوئیاں کرتے ہیں اگر انھیں جرأت و ہمت ہے تو میدان میں آئیں مگر یہ سمجھ کر آئیں کہ وہ قاسم سے عہدہ بر آ ہو جائیں گے، اللہ کی حجت تمام ہو چکی ہے"۔ اس عبارت کے ناقل تو خود مولانا طیب صاحب زید مجدہ ہیں۔ ان عبارتوں کو ان کے موقع و محل اور مقتضیٔ حال کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو یقین مانئے یہ فخر و تعلی نہیں بلکہ انتہائی مبنی بر محل کلام ہے۔ مولانا مودودی نے جن لوگوں کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی ہے، وہ آخر وہی تو ہیں کہ دیوبندیوں میں ہزار عیب لگا کر ان کی تشہیر کی جائے اور بریلوی اور ندوی پر باقاعدہ ان کے خلاف مہم چلائی جائے۔ آخر اگر انھوں نے اپنی زندگی کو خود اپنی صفائی میں پیش کر دیا، کونسا آسمان ٹوٹ پڑا اور زمین شق ہو گئی کہ ہمارے اساطین علم اور مسند آرائے منبر و محراب دریا آبادی جیسا وسیع النظر عالم چیں بجبیں ہو جائے اور ان کی عقیدت کو صدمہ پہونچ جائے — آخر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ اکثر اہل علم جانتے ہوں گے رجیلی ہذہ علی رقبۃ کل ولی (میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے) کون نہیں جانتا کہ صوفیاء کا مشہور مقولہ ہے جس کو حضرت تھانوی مرحوم نے "دعوات عبدیت" میں بھی نقل کیا ہے التکبر مع المتکبر عبادۃ (دنیا دار متکبروں کے سامنے تکبر سے ہی پیش آنا چاہیئے۔

عبادت ہے) پاکستانی ارباب اقتدار ہوں یا مصر کے فراعنہ ان کے سامنے گفتگو کا وہ انداز جیسے مولانا دریاآبادی چاہتے ہیں، ہم اس کو قطعی طور سے موقع و محل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ خصوصًا جب کہ مولانا مودودی کی عبارت اس سے کبھی زودتر ہی ہے بلکہ حدیث شریف میں جو یہ آتا ہے لا ینبغی لمومن ان یذل نفسہ (کسی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے) ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تو یہ جملہ بھی منسوب ہے ملکی اعظم من ملک اللہ (میرا ملک اللہ کے ملک سے بڑا ہے) اور اس کی وہ بہترین توضیح صوفیانہ نقطۂ نظر سے کرتے ہیں کہ ساری چیزیں تو اللہ کی ہیں اور اللہ ہمارا ہے، اس طرح خالق بھی ہمارا اور اس کے واسطے سے مخلوق بھی ہماری، مگر اللہ کے لئے تو صرف اس کی مخلوق ہے، کیونکہ خالق تو وہ خود ہی ہے —— حضرت تھانوی مرحوم "دعوات عبدیت" میں اسے نقل کرکے لکھتے ہیں:—

"یہ بڑے لوگ تھے یہ بات انھیں زیب دیتی ہے
ہم کو نہیں"

اس کے بعد ایک شعر بھی پیش کیا ہے ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد — چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

(ناز کے لئے گلاب جیسا چہرہ چاہئے، بدصورتی کے ساتھ ناز بداخلاقی ہوگی)

میں نہیں سمجھتا کہ آخر مولانا مودودی نے کونسا ایسا جملہ اس سے سخت کہہ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ بایزید آج کے عالم نہیں اس لئے معاصرانہ چشمک و رقابت سے محفوظ ہیں۔ مگر مولانا مودودی کی "بدقسمتی" کہ وہ اس زمانہ میں ہیں اور تنقید کرنے والے ان کے معاصر ہیں تو بھلا انصاف کیسے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:—

"علماء سے تم صرف دین کے مسائل پوچھو اور جب وہ ایک دوسرے پر اظہار خیال کریں تو اس کو مت مانو"

انھوں نے بھی اشارہ اسی ہمعصری کے فتنے کی طرف کیا ہے۔ مولانا دریاآبادی سے ہمیں بدظنی ہرگز نہیں کہ انھوں نے مولانا منظور نعمانی کا جریدہ "الفرقان" نہ دیکھا ہو۔ مولانا نعمانی اس میں اپنی ذات پر احسانات خداوندی کی وضاحت کرتے ہیں، اور عنوان ہے "تحدیث نعمت" کا۔ آخر اسی سے کچھ جملے لیکر موقع و محل سے الگ کرکے دیکھیں تو بات مولانا مودودی سے بہت آگے پہنچتی ہے۔ اسکے باوجود ہمارے کسی کبھی اکابر کی عقیدت کو صدمہ نہیں پہنچتا ہے، اگرہم مانتے ہیں کہ مولانا نعمانی نے مولانا مودودی ہی کی طرح وہ باتیں جس موقع و محل سے کی ہیں دل کو بھاتی ہیں اور عمل کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ دور نہ جائیے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا متعنا اللہ بطول حیاتہ کے ملفوظات" ساعتے با اولیاء" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور ضرور مولانا دریاآبادی نے دیکھے ہوں گے۔ اس کے چالیس صفحات تک دیکھ جائیے کیسے کیسے زندگی کے حالات انھوں نے بتائے ہیں رمضان میں قرآن اور عبادتوں کا معمول، حج وعمرہ کا مع دیگر تذکرہ پھر وہ حج وعمرے جو لوگوں نے ان کی طرف سے کئے ہیں ہزاروں تک پہنچتے ہیں۔ آخران باتوں کو ان کے موقع و محل سے اگر ہٹا دیا تو وہ خود ایک قسم کی تعلّی اور فخر بن جائے۔ مگر ہم مانتے ہیں کہ شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے جو کچھ فرمایا دلوں کو متاثر کرتا ہے جذبۂ عمل اور شوق عبادت پیدا کرتا ہے۔ موقع و محل کے لحاظ سے انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو کبر و نخوت کہی جا سکے۔ علی میاں ندوی مدظلہ کے کچھ جملے لکھنؤ کے جلسۂ سیرت کے موقع سے آچکے ہیں جنھیں اگر الگ کر دیجئے تو مولانا دریاآبادی کی یہ تنقید وہاں چسپاں ہو جائے یعنی "بے موقع رجز خوانی" آخر مولانا عبدالحق ردولوی کے متعلق جو اچھے اور خاصے بزرگ تھے حضرت تھانوی مرحوم نے ان کا یہ جملہ نقل کیا —" منصور بچہ بود کہ زیک قطرہ خروش آمد اینجا مردانند کہ دریا ہا را فرو برند و آروغ نزنند —— یعنی منصور جس نے انا الحق کہا تھا وہ بچہ تھا کہ ایک قطرہ معرفت الٰہی کا پیا اور چلانے لگا۔ اور یہاں تو جوانمرد ہیں کہ دریا کا دریا پی گئے اور ڈکار تک نہ لی" (التبلیغ حصہ ۴ صـ۱۷۳) خیر یہ سب جملے جو مذکور ہوئے ان سے نہ عقیدت کبھی مجروح ہوئی نہ ہوگی۔ ان جملوں کو ہم حقیقت حال اور واقعہ پر محمول کرتے ہیں مگر مولانا مودودی کے سلسلہ میں ہم نے قسم کھالی ہے کہ جہاں بھی ان کی زبان سے

وحی کی دو قسمیں

وحی کے لغوی معنی ہیں اشارہ، جو انتہائی سُرعت سے کیا جائے۔ کن فیکون کی شان کا اشارہ۔ قرآن مجید میں انبیار پر وحی نازل کرنے کا بھی ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے غیر انبیار، بلکہ غیر انسان سے بات کی ہے تو اُسے بھی وحی کہا ہے۔ اُس کے لئے وحی کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ غیر انبیار میں مثلاً "ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی کی کہ موسیٰ کو (برابر) دودھ پلاتی رہو اور جب تمھیں (موسیٰ کی جان خطرے میں نظر آئے تو انھیں (صندوق میں بند کرکے) دریا میں ڈال دو اور بالکل نہ گھبراؤ اور غمگین مت ہو۔ ہم انھیں تم سے پھر ملادیں گے اور انھیں (اپنا) پیغمبر بنائیں گے۔" (سورہ ۲۸، آیت ۷) غیر انسان میں مثلاً آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی (کہ چھتہ فلاں فلاں جگہ رکھ اور شہد یوں تیار کر) سورہ ۱۶، آیت ۶۸، ۶۹)

انبیار والی وحی ان وحیوں سے قطعی مختلف تھی۔ ہم ان وحیوں کی بابت بھی قیاس نہیں لڑا سکتے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ کی ماؤں کو وحی کس طرح کی گئی تھی۔ یا شہد کی مکھی اور زمین و آسمان اور فرشتوں کو وحی کس طرح کی جاتی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ اور انبیار والی وحی کا سمجھنا بھی غیر انبیار کی قدرت سے باہر ہے۔ سوائے اُتنے کے جتنا کہ قرآن و حدیث نے بتادیا ہے۔ جو وحی پیغمبروں کے ساتھ مختص تھی اور جو پیغمبروں کی وجہ امتیاز تھی۔ اُسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی قرآن و انجیل و توریت وغیرہ صحیفوں کی شکل میں نازل ہوئی اور ایک وحی وہ ہے جسے صحابہؓ پوچھا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی رائے ہے یا اللہ کا حکم ہے یا ازواج مطہرات میں سے کسی بیوی نے دوسری بیوی سے کوئی راز کی بات کہہ دی تھی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن سے فرمایا کہ اس کے پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ تو زوجہ مطہرہ حیران رہ گئیں، اور بولیں، آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے معلوم کرایا ہے۔ حضورؐ کے جواب طلب فرمانے اور زوجہ مطہرہ کے حیران رہ جانے اور حضورؐ کے اس ارشاد کا کہ مجھے اللہ نے خبر دی ہے۔ قرآن مجید میں اندراج ہے۔ لیکن کب خبر دی تھی اور کن الفاظ میں خبر دی تھی اس کا قرآن مجید میں اندراج نہیں — بہر حال وہ وحی بھی رسولوں کے ساتھ مختص تھی۔ پہلی کا نام وحی متلو ہے۔ دوسری کا نام وحی غیر متلو۔ جن غیر متلو وحیوں کے متعلق علمائے امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ وحی متلو ہی کی طرح واجب التعمیل ہیں — مثلاً نماز کے متعلق وحی متلو (قرآن) میں مجمل حکم ہے۔ نماز کی تفصیلات وحی غیر متلو (احادیث) میں ہیں۔ نماز کے طریقۂ ادائیگی کا خفیف سا اختلاف اہمیت دینے کی شے نہیں ہے۔ باقی تفصیلات اسی طرح یقینی ہیں جس طرح قرآن یقینی ہے۔

کسی بات کا یقین کامل ہو کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے یا کی ہے اُس کا وہی مرتبہ ہے جو حضورؐ کے اِس قول کا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قرآن کو کلام اللہ ہم نے حضورؐ کے بیان سے مانا ہے — حضورؐ کے جتنے اقوال اور افعال اسی [illegible] یقینی ہوں جس

قدر یہ قول ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یا جس قدر یہ عمل یقینی ہے کہ حضورؐ نے مغرب کے فرضوں میں ہمیشہ تین رکعتیں پڑھیں۔ حضورؐ کے ایسے اقوال اور افعال مثلِ قرآن واجب العمل ہیں۔ لیکن ہر قول اور ہر فعل ایسا یقینی نہیں ہے۔ بزرگانِ سلف نے حضورؐ کے ایک ایک قول اور فعل کی روایتوں کو پرکھا ہے اور لکھ دیا ہے کہ روایت صحیح ہے یا غلط۔ صحیح ہے تو صحت کس پائے کی ہے۔ بیشمار روایتیں غلط ہیں ان کا ریکارڈ یوں باقی رہ گیا ہے کہ اول صحیح اور غلط تمام روایتوں کو جمع کر لیا تھا اور پھر ان کی چھٹائی کی تھی۔ غلط روایتوں کے ریکارڈ کی ویسے بھی ضرورت تھی کہ غلط روایتیں اور نہ بڑھیں مگر اب غلط روایتوں کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے اب غلط روایتوں کا باقی رہنا دماغوں کو پریشان کرتا ہے اہلِ علم غور فرمائیں کہ غلط روایتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

محدثین نے حدیثوں کے معتبر و غیر معتبر ہونے کے چند اصول مقرر کر گئے ہیں۔ محدثین کی کسوٹی پر غیر معتبر حدیثوں کو کسے۔ محدثین کے نزدیک وہ حدیث غیر معتبر ہے (۱) جو قرآن مجید کے خلاف ہو (۲) جو احادیث متواتر کے خلاف ہو (۳) جو عقل کے خلاف ہو (۴) جو مشاہدے اور محسوسات کے خلاف ہو (۵) جو نبیوں کے شایانِ شان نہ ہو اور جس میں رکاکت ہو (۶) جو ایسے معاملے کے متعلق ہو جسے تمام صحابہؓ کو جاننا چاہیئے تھا۔ مگر اس کی روایت صرف ایک صاحب کر رہے ہیں (۷) جن میں سنہ اور تاریخ کے ساتھ پیشین گوئی ہو (۸) جس میں معمولی قصور پر عظیم سزا اور معمولی نیکی پر عظیم انعام دیا جا رہا ہو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت محمود بن الربیعؓ پانچ برس کے تھے آپکی روایت ہے کہ حضورؐ نے پیار سے میرے منھ پر کلی کر دی تھی۔ پانچ برس کا بچہ اتنی بات یاد رکھ سکتا ہے اور بات ایسی ہے کہ مان لینے میں نقصان نہیں ہے۔ چنانچہ مان لیا گیا ہے لیکن یہی صحابی کوئی ایسا واقعہ سنائیں جسے پانچ برس کا بچہ سمجھ نہیں سکتا تو وہ محلِ غور ہوگا۔ معمر صحابیوںؓ کی روایات کو پرکھنے کی بھی محدثین نے انتہا کر دی تھی۔ جن کی بابت پتہ لگا کہ ثقہ نہیں تھے۔ یا اُن کی روایات میں اُلجھاؤ ہے، یا اُن سے قیاس پر ضرب پڑتی ہے تو محض صحابی ہونا ائمہ حدیث کے لئے کافی نہیں تھا۔ محدثین کے کام کے تصور سے انسان چکرا تا ہے۔ لاکھوں حدیثوں کا جمع کرنا اور پھر ایک ایک حدیث کو تولنا کہ یہ صحیح ہے یہ متواتر، یہ مشہور، یہ منقطع، یہ مرسل، یہ معنعن یہ مبہم، یہ احاد، یہ غریب مطلق، الفاظ کہاں سے لاؤں کہ محدثین کی کاوش کا نقشہ کھینچ دوں۔ اس ذخیرے کی چھٹائی کی جائے اور "بینگن کھانے سے ہر مرض جاتا رہتا ہے" قسم کی حدیثوں کو الگ کر دیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ محدثین ہمیں حضورؐ کے اقوال اور رولنگز (RULLINGS) کی شکل میں حکمت اور موعظت کا خزانہ عطا کر گئے ہیں۔

ایک دردمند دل کی پکار

موجودہ دنیا میں "اسلام" ہی نے "تبلیغی مذہب" کی یہ کہہ کر بنیاد رکھی تھی کہ "تم حسین ترین امّت ہو اس لئے کہ تم بھلائیوں کو نافذ کرتے ہو ــــ برائیوں کی راہ بند کرتے ہو اور اللہ پر یقین کامل رکھتے ہو" لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں اگر کوئی غیر تبلیغی مذہب ہے تو وہ اسلام ہی ہے! عیسائیت آج اپنا پیغام ساری دنیا کی قوموں کو ان کی اپنی زبان میں اس طرح پہنچا رہی ہے کہ اگر کسی کا پتہ اسے مل جاتا ہے تو فوراً اس کا لٹریچر بلا قیمت آنا شروع ہو جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ آج دُور افتادہ امریکہ میں بدھ مت اور ہندو مت کے تبلیغی مراکز قائم ہو رہے ہیں اور یہ سارے مذاہب اور ان کے اصحابِ خیر اپنی دولت اس مہم میں جھونک کر ان کے اصحابِ قلم کو مفت مذہبی لٹریچر پھیلانے میں بھرپور تعاون دے رہے ہیں اور ہمارا اپنا حال یہ ہے کہ ہماری تبلیغ کی ساری دوڑ دھوپ مسجد تک محدود ہو کر رہ گئی یا قلمی راہ سے مسلمانوں کے لئے اُردو ہندی میں کچھ رسالے نکالنے اور کتابیں چھاپنے سے شروع ہو کر وہیں کی وہیں ختم ہو گئی۔ اسلام سے محروم اور ناواقف انسانیت کا پورا سمندر ہماری تبلیغی رسائی سے دُور ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایک بھی ایسا ادارہ نہیں جو مختلف قوموں کی نفسیات کے مطابق ان کی اپنی زبانوں میں مفت لٹریچر شائع کرتا اور تقسیم کر سکتا ہو۔

خدا کا کس طرح شکر ادا کیا جائے کہ اس نے انتہائی بے سر و سامانی کی حالت میں ہندی میں اسی مقصد کے لئے ماہنامہ **"مارگ دیپ"** نکالنے کی توفیق بخشی اور بہت جلد اس کو ان دردمندانِ انسانیت کی بارگاہ میں باریابی اور اس مقصد کی پکار بلند کرنے کی راہ دکھائی۔

اب ــــ ہم اس حقیر آواز کے ذریعہ ان تمام انسانوں کو ان کے عظیم ترین فرض کی پکار سنا رہے ہیں کہ جو کل ساری دنیا کے معبودِ حقیقی سے ملاقات کے دن اس معاملے میں سرخ روئی کی خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقدم ترین کام میں تعاون کر کے اپنے نامۂ اعمال کو ایک بلند ترین نیکی سے آراستہ فرمائیں۔ (اعزازی خریداری کی رقم پانچ سو (۵۰۰) روپے سالانہ سے سَو روپے سالانہ تک ــــ عام خریداروں کی رقم محض پانچ روپے سالانہ رکھی گئی ہے جو تقریباً لاگت کے بقدر ہے۔ اس لئے کہ اس رسالہ سے ہمارا مقصد اس سرائے فانی میں دولت کے ڈھیر لگا کر مرجانا نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق!

(پچاس پیسے کے ٹکٹ بھیجکر نمونہ طلب فرمایا جا سکتا ہے)

ایڈیٹر ماہنامہ مارگ دیپ روشنی پبلشنگ ہاؤس خسرو باغ روڈ، رام پور (یو پی)

تجلّی ہم اپنے ذاتی علم کی روشنی میں اس "پکار" کے قارئین کو اطمینان دلاتے ہیں کہ واقعتہً یہ "پکار" ہی ہے کوئی کاروباری ایکٹنگ نہیں۔ "مارگ دیپ" نکالنے والوں سے ہم واقف ہیں اور تمام برادرانِ اسلام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حسبِ مقدور ان کے کام میں تعاون فرمائیں تاکہ غیر مسلمین میں تبلیغ کا زیادہ سے زیادہ حق ادا کیا جا سکے۔ فاضل دولت والے مسلمان بھائیوں کے لئے یہ حصولِ ثواب کا اچھا موقعہ ہے۔

تفسیر ماجدی

(۳)

مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ کی تفسیر جلد ثانی پر تبصرے کی تیسری قسط

تفسیر ماجدی پر اِس مذاکرہ نما تبصرے کی دوسری قسط ماہ گزشتہ (ایمان نمبر) میں آچکی ہے۔ اصولاً اسے ایسے مقام پر ختم ہونا چاہیئے تھا جہاں جملہ پورا ہو رہا ہو، لیکن ہوا یہ کہ عین اس وقت جب کاپیاں پریس جا رہی تھیں کتابت شدہ مضمون مطلوبہ صفحات کی گنجائش سے کچھ زائد معلوم ہوا لہٰذا تھوڑا حصّہ الگ کرنا پڑا اور یہ اہتمام نہ ہو سکا کہ قسط مناسب جگہ ختم ہو، چنانچہ نہ صرف ادھورے جملے پر وہ ختم ہوئی بلکہ وہاں "باقی آئندہ" جیسا کوئی لفظ بھی لکھنے سے رہ گیا۔

پرانے قارئین تو پیش نظر قسط کا سلسلہ بہ آسانی ایمان نمبر سے ملالیں گے لیکن ہر ماہ جو نئے قاری اللہ کی مشیت تجلّی کے لئے مہیا کرتی ہے وہ دشواری میں پڑ جائیں گے کہ یہ گفتگو کیا ہو رہی ہے۔ چنانچہ ان کی تفہیم کیلئے سلسلۂ گفتگو کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ امام رازیؒ بھی گناہ گار مومن کے لئے عذابِ نار کو ممکن سمجھتے ہیں اور یہ رائے ان کی ہرگز نہیں ہے کہ مومن کوئی بھی گناہ کرے وہ اس کے لئے قطعاً مضر نہیں۔ اس کے ثبوت میں ہم نے تفسیر ماجدی ہی کے صفحہ ۲۳۲ سے ایک عبارت نقل کی تھی۔ اس کے بعد لکھا تھا:۔

"صفحہ ۳۴۶ پر امام رازیؒ کا یہ ارشاد نقل ہے"۔

پس پیشِ نظر قسط اسی ارشادِ رازیؒ سے شروع ہو رہی ہے۔

"احتج اصحابنا بھذہ الآیۃ علی انہ
تعالیٰ یخرج من النار من قال لا الہ الا
اللہ علی سبیل الاخلاص۔"

یعنی امام رازی اور ان کے اصحابِ جلیل یقیناً مانتے ہیں کہ مومن کو بھی ان کے گناہوں کی پاداش میں داخلِ نار کیا جا سکتا ہے۔ صفحہ ۳۰۴ پر۔ آیت ۹۳ کے تحت امام رازی کا یہ ارشاد بھی نقل ہے الآیۃ دالۃ علی ان المومن الفاسق لا یبقی مخلداً فی النار (یعنی آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فاسق مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا) اس سے ظاہر ہے کہ گناہوں کی وجہ سے مومن کا عارضی طور پر جہنم میں جانا وہ بالکل ممکن سمجھتے ہیں۔

صفحہ ۲۵۰ پر امام رازیؒ کا یہ فرمودہ نقل ہے:۔

"توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں
ہے۔"

غرض یہ بات امام رازیؒ اور جملہ علمائے حق کے درمیان مسلّمات میں سے ہے کہ گناہ خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے اہلِ ایمان کے لئے مضر ہیں اور بعض گناہوں پر تو عذابِ نار سے بھی سابقہ پیش آسکتا ہے۔ لہٰذا ایسا کوئی نوٹ ہرگز نہ ہونا چاہیئے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہو کہ ایمان کے بعد کوئی بدعملی اور عصیان شعاری مضر ہے ہی نہیں۔

---

(۷) آیت نمبر ۸۴ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الآیہ کے ذیل میں جو نوٹ ہے اس میں ذرا سا خلا رہ گیا:۔

"مسلمانوں کا سپہ سالارِ اعظمؐ یہ رنگ دیکھ کر تن تنہا
میل کھڑے ہونے پر آمادہ ہو گیا"

اس سے صرف آمادگی کا پتہ چلتا ہے حالانکہ حضورؐ صرف آمادہ ہی نہیں ہوئے تھے۔ کچھ صحابہ سمیت میدانِ بدر میں پہنچ بھی گئے تھے۔ اسے سیرت نگار بدرِ ثانی یا بدرِ صغریٰ لکھتے ہیں۔

صفحہ ۹۶ کے تفسیری نوٹ میں ایک لفظ کی کتابتی غلطی

خاصی جیسی نجعلوا التحیۃ اسماً للاسلام۔ یہاں للسّلام ہونا چاہیئے۔ اسی طرح صفحہ ۱۱۹ پر "اندازی" سے کوفت ہوئی "انداز ری" لکھا گیا ہوگا۔

(۸) آیت ۱۱۳ میں عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کا مطلب تفسیری نوٹ میں یہ دیا گیا ہے۔

"یعنی جو علومِ عالیہ آپ پر قبل نبوت ونزولِ قرآن
منکشف ہو گئے۔"

اس کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہم نے بہت تجسس کیا لیکن ہمیں اس کا ماخذ نہیں مل سکا۔ نبوت سے قبل آپ پر علوم نازل ہوئے ہوں اس سے نہ صرف حدیث خاموش ہے بلکہ اس کی تردید کرتی ہے۔ قرآن کا وَوَجَدَکَ ضَالًّا بھی قبل نبوت ہی کے لئے ہے اور پہلی وحی کے نزول پر آپ کی کیفیات جو بخاری کی صحیح ترین روایات میں بیان ہوئی ہیں اس سے ابا کرتی ہیں کہ آپ قبل نبوت علومِ عالیہ سے بہرہ یاب ہوئے ہوں۔ غارِ حرا میں آپ کی خلوت نشینی اور اضطراب و تجسس بھی عدمِ علم ہی کا مظہر تھا۔ پھر خدا جانے فاضل مفسر نے کونسے علومِ عالیہ مراد لئے ہیں۔ جتنی تفسیریں ہمارے سامنے کھلی ہیں ان میں تو اس کی تائید کیا اس کی طرف اشارہ بھی نہیں اور قولِ مرجوح کی حیثیت سے بھی کسی نے ایسا نہیں کہا۔

امام رازیؒ جن کی تفسیر سے ممدوح مفسر نے بیش بیش از بیش فائدہ اٹھایا ہے تمام ممکنہ تاویلات جمع کرنے میں امتیازی شان رکھتے ہیں مگر اس تاویل کا اشارہ تک ان کے یہاں نہیں۔ علامہ آلوسی جن کی نظر تمام قدیم تفاسیر پر ہے اور عربی تفاسیر میں ان کی روح المعانی کے بعد اس قدر بسیط اور سیر حاصل تفسیر کوئی نہیں ان کا حال یہ ہے کہ وعلّمک کی تشریح بانواع الوحی" کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ قرآن سے قبل رسول اللہؐ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ وحی غیر منطوق کا بھی کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے بعد وہ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کی تفسیر میں گوناگوں فقرے لاتے ہیں۔ یعنی امورِ مخفی اور ضمائرِ صدور اور مکاروں کے کید و مکر کا استعمال کرنے والے نامعلوم۔

یا امورِ دین اور احکامِ شرع جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یا خیر و شر کی تمیز و شعور جیسا کہ ضحاک سے منقول ہے۔ یا اولین و آخرین کی خبریں۔ یا یہ سبھی چیزیں۔ مگر یہ قول تو کسی نے بھی نہیں کیا کہ اس آیت سے ان علوم و معارف کی طرف اشارہ ہے جو قبل نزولِ قرآن اور قبل نبوت آپؐ کو دیئے گئے۔ بعض نے واؤ کو تفسیری و تشریحی مان کر یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کتاب و حکمت کے اسرار و حقائق مراد ہیں۔ ہماری ناچیز رائے میں واؤ تفسیری بھی ہے اور تکمیلی بھی یعنی :-

"اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور وہ علم دیا جو تمھیں حاصل نہیں تھا"۔

"حکمت" میں وہ ساری چیزیں آجاتی ہیں جن کا تعلق وحیِ غیر متلو سے ہو یا حضورؐ کی مصفّا اور منوّر قوّت مدرکہ یا شعور و عقل سے۔ بہرصورت ان سب کا محل بعدِ نبوت ہے نہ کہ قبلِ نبوت۔

---

(۹) آیت ۱۲۷ کے ترجمہ و تفسیر میں بھی ایک لطیف و غامض بحث ہے۔ بطور مذاکرۂ علمی اسے بھی لیجئے۔

سورۂ نساء کے آغاز میں اللہ نے فرمایا تھا کہ تم اگر یتیم بچیوں سے نکاح کر کے ان کے حقوق نہیں دیتے تو بہتر ہوگا کہ ان سے نکاح مت کرو بلکہ اور جو عورتیں تمھیں پسند آئیں ان میں سے ایک یا دو یا تین یا چار سے نکاح کرلو۔

اس پر اکثر مسلمانوں نے یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر تجربات نے تبلایا کہ متعدد صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ یتیم لڑکی سے اس کے سرپرست ہی کا نکاح کرلینا بہتر ہوتا ہے تو صحابہؓ نے اس کی اجازت چاہی۔ اس پر آیت ۱۲۷ نازل ہوئی :-

"(اے پیغمبر) اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی؛ کہدے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو اُن کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ۔ اور حکم ہے ناتواں لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر"۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی اللہ تعالیٰ یہ سمجھا رہا ہے کہ پہلے جو یتیم لڑکیوں کے بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کی تلقین کی گئی تھی وہ تو اس وجہ سے تھی کہ ان لڑکیوں کی حق تلفی نہ ہو لیکن اگر تم حق تلفی نہیں کرتے بلکہ انھیں نکاح میں لاکر مناسب مہر اور مناسب نان نفقہ دیتے ہو تو پھر کوئی جرم نہیں ان سے نکاح کر لینے میں۔

اب یہاں الفاظ یہ نازل کئے گئے ہیں۔ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ۔ گفتگو اس کے ترجمے میں ہے۔ رَغِبَ یَرْغَبُ بے شک متضاد معنی میں آتا ہے۔ رَغِبَ فِیْهِ کا مطلب ہے رغبت و خواہش اور رَغِبَ عَنْهُ کا مطلب ہے گریز و نفرت۔ یہاں ترغبون کے بعد نہ فی ہے نہ عن لہٰذا بجا طور پر ہر مفسر کا حق ہے کہ وہ فی محذوف مان کر خواہش و رغبت کے معنی لے یا عن محذوف مان کر گریز و نفرت کے۔ فاضل مفسر نے دوسری شکل پسند کر کے ترجمہ یہ کیا ہے :-

"جنھیں وہ نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے اور اس سے بیزار ہو کہ ان سے نکاح کرو"۔

اس موقع پر مولانا اشرف علیؒ ان کے ہمراہ ہیں اور مولانا مودودی بھی۔ البتہ مولانا مودودی نے یہ احتیاط برتی ہے کہ اسی بیزاری والے مفہوم کو مقدم رکھ کر بریکٹ میں دوسرا مفہوم بھی لکھدیا (" لالچ کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کرلینا چاہتے ہو") سلف میں حضرت ابن عباسؓ اور حسن البصریؒ اور مفسر قرطبی بھی ان کے ہمراہ ہیں۔ نیز فاضل مفسر نے خود بھی وضاحت کی ہے کہ اکابر کی ایک جماعت فی محذوف مان کر خواہش و میلان کا ترجمہ کرتی ہے۔ لہٰذا بحث اب بس اس قدر ہے کہ موصوف نے جس ترجمے کو فوقیت دی وہ اقرب الی الصواب ہے، یا فی والا ترجمہ بہتر ہے۔

ہماری فہم ناقص یہ کہتی ہے کہ دلیل نہ امام قرطبی کی

توی نہ مولانا مودودی کی نہ فاضل مفسر کی۔ اور رائے یہاں شاہ عبد القادرؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ عثمانیؒ کی اقرب الی الصواب ہے، جو فی محذوف مان کر خواہش و رغبت کا ترجمہ کرتے ہیں۔

امام قرطبیؒ استدلالاً کہتے ہیں کہ عن کے حذف پر حدیثِ عائشہؓ قوی دلالت ہے۔ حدیث عائشہ ہی سے فاضل مفسر نے بھی اور مولانا مودودی نے بھی استدلال فرمایا۔ فرق یہ رہا کہ فاضل مفسر نے صرف اجمالاً امام قرطبیؒ کے اعتماد پر حدیثِ عائشہ کا ذکر کر دیا اور مولانا مودودی نے حدیثِ عائشہ کو مفصلاً پیش فرمایا۔ حدیث سنداً صحیح ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اسے رد کیا جا سکے۔ لیکن ہمارے ناقص علم کی حد تک اس حدیث کا تعلق زیرِ تذکرہ آیت سے ہے ہی نہیں بلکہ سورۂ نساء کی اُس آیت سے ہے جس کا ذکر ہم نے پیچھے کیا یعنی وہ جس میں یتیم بچیوں سے نکاح کو منع کر کے دوسری عورتوں سے نکاح کی تلقین کی گئی ہے۔ (آیت نمبر ۳) رہی زیرِ تذکرہ آیت تو اس کے متعلق علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں حضرت عائشہ صدیقہ کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ آیت کے فقرے مَا كُتِبَ لَهُنَّ کے بارے میں حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ما وجب لهن من الصداق (یعنی جو مہر ان عورتوں کے لئے اللہ نے فرض قرار دیا ہے) جب انھوں نے ایسا فرمایا تو اب فقرے کے معنی پر غور کیا جائے:-

"وہ عورتیں جن کا مہر تو تم دیتے نہیں اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو۔"

یہ معنی بے غبار بھی ہیں اور برجستہ بھی۔ لیکن اگر یوں کہیں کہ:-

"وہ عورتیں جن کا مہر تو تم دیتے نہیں اور اس سے بیزار ہو کہ ان سے نکاح کرو۔"

تو فقرہ بے جوڑ اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ مہر نہ دینے کو ایک ظلم کی حیثیت سے بیان کرنا اسی وقت قابلِ فہم ہے جب مخاطب نکاح کا خواہشمند ہو۔ اگر نکاح سے وہ بیزار ہے اور کہیں اور بھی یتیمہ کا نکاح کرنا نہیں چاہتا تو یہ ایک ظلم سہی لیکن مہر نہ دینے کا الزام بہرحال اس پر عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس الزام کا مورد شوہر ہی ہو سکتا ہے نہ کہ نکاح سے بیزار سرپرست۔

جو حضرات ترغبون کے معنی بیزاری و گریز کے لے رہے ہیں وہ مَا كُتِبَ لَهُنَّ سے ترکہ اور مہر دونوں مراد لیتے ہیں اور اس طرح ان کی بات کسی حد تک قابلِ فہم ہو جاتی ہے۔ یعنی مہر کی صورت میں تو مطلب یہ بناتے ہیں کہ نکاح تو کرنے پر آمادہ ہو مگر مناسب مہر نہیں دینا چاہتے اور ترکہ کی صورت میں یہ کہ نہ انھیں ان کا ترکہ دیتے ہو نہ خود ان سے نکاح کرتے ہو۔

مگر کیا واقعی اس طرح بات بن گئی! — ہمارا خیال ہے کہ نہیں بنی۔ یتیموں کا ترکہ انھیں نہ دینا بلا شبہ ظلم ہے لیکن یتیم لڑکی سے شادی کی خواہش نہ رکھنا تو کوئی جرم نہیں۔ یہ جرم اسی صورت میں بنتا ہے کہ نہ خود شادی کرو نہ دوسروں سے کرنے دو لیکن یہ دونوں مفہوم بیک وقت ایک ہی فقرے سے کیسے پیدا ہوں گے۔ تَنْكِحُوا ثلاثی مجرد میں فرمایا گیا ہے۔ تُنْكِحُوا (باب افعال میں) نہیں فرمایا گیا۔ اگر تُنْكِحُوا فرمایا جاتا تو بے شک یہ معنی ہو سکتے تھے کہ تم ان کا نکاح دوسری جگہ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن بصورتِ موجودہ اس کا کیا نحوی جواز ہے۔

ہاں خود ان سے شادی کرنا اس صورت میں جرم بن جاتا ہے جب مناسب مہر نہ دو۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کی رائے کے مطابق كُتِبَ لَهُنَّ کو بجائے ترکہ کے صرف مہر تک محدود رکھ کر ہی مفہوم ہر طرح کی پیچیدگی سے بچ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اعلم و اتم۔

(۱۰) آیت ۱۳۳ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ الآیۃ۔

"اگر چاہے تو اے لوگو تم (سب) کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے۔"

اس پر نوٹ یہ دیا گیا:-

"آخرین یعنی نوع انسان کے علاوہ کوئی اور ہی نئی مخلوق۔"

ہم یہاں بھی حیرت کریں گے کہ شاہ عبدالقادرؒ، شیخ الہندؒ، علامہ عثمانیؒ، مرشد تھانویؒ اور مولانا مودودی کوئی ایسا نہیں کہتا۔ یہ سب حضرات آخرین سے مراد "دوسرے لوگ" لیتے ہیں۔ یعنی نوعِ انسانی ہی کے دوسرے افراد نہ کہ انسان کے علاوہ کوئی مخلوق۔

ممدوح نے بیضاوی کا حوالہ دیا۔ چلئے ٹھیک ہے قاضی بیضاوی کی یہی رائے ہوگی۔ لیکن اس کے بعد روح المعانی کا جو حوالہ دیا گیا وہ چونکا دینے والا ہے۔ "جوّز الزمخشری وابن عطیۃ ومقلدھما ان یکون المراد جنساً غیر جنس الناس" (یعنی زمخشری اور ابنِ عطیہ اور ان دونوں کے مقلدین یہ جائز رکھتے ہیں کہ ممکن ہے قرآن کی مراد انسان کے علاوہ کوئی جنس ہو) اس فقرے پر نوٹ کو ختم کر دینے کا مطلب ہر شخص یہی سمجھے گا کہ صاحب روح المعانی کی اپنی یہی رائے ہے اور اپنی رائے کے ثبوت ہی میں وہ کچھ گویا بیان پیش کر رہے ہیں۔

لیکن امر واقعہ جو کچھ ہے وہ بالکل اور ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ممدوح مفسر یہاں اپنے لکھے پر کیسے مطمئن ہو گئے۔ صاحبِ روح المعانی تو آیت کے متصل بعد دو ٹوک لفظوں میں اپنی رائے یہ بیان فرماتے ہیں کہ ای یوجد مکانکم دفعۃً قوماً آخرین من البشر (یعنی اے لوگو اللہ اگر چاہے تو تمہاری جگہ جنسِ بشر ہی میں سے ایک اور قوم دفعتاً ایجاد کر دے) پھر وہ اس خیال کی تائید میں کہ دوسری قوم جنسِ بشری سے ہوگی ایک حدیث سے استدلال فرماتے ہیں۔ بایں طور کہ جب آیت وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا الّا ھم قوم ھذا (یعنی نافرمانوں کو بدل کر جس طرح کے دوسرے لوگ اللہ لائے گا وہ ایسے ہوں گے) حضورؐ کا منشا سلمان فارسیؓ کی تحسین و توصیف تھا۔ گویا نافرمانوں کی جگہ اس قسم کے فرماں بردار لوگ پیدا کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی وہ عبارت حوالۂ قلم کرتے ہیں جو تفسیر ماجدی میں نقل کی گئی، لیکن ظاہر ہے کہ بطور استدلال نہیں بلکہ برائے تردید۔ چنانچہ فرماتے ہیں وتعقبہ ابوحیان بانہ خطاءٌ۔ پھر فرماتے ہیں کہ لفظ غیر سے تو بے شک غیر جنس مراد لے لی جاتی ہے لیکن محاورۂ عرب میں لفظ آخر ایسی مغایرۃ کے لئے مستعمل ہے جو ایک ہی جنس کے بعض افراد میں ہو۔ اس کے بعد وہ ایک صفحہ سے زیادہ میں اسی مسئلے پر فنی بحث کرتے ہیں بطور نظیر عربی شعراء کا کلام بھی لاتے ہیں۔ ماہرین فن کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ جو گفتگو ہم نے کی اس سے ثابت ہے کہ مختار اور درست تر بات یہی ہے کہ لفظ آخر سے مراد وہی جنس ہو جس کے بعد یہ لفظ آیا ہے۔ قرآن سے بھی ان کا استدلال ہے۔ مثلاً سورۂ نجم میں فرمایا گیا اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (بھلا کیا تم نے دیکھا لات کو اور عزیٰ کو اور تیسری دیوی مناۃ کو جو ان کے علاوہ ہے) تو منات جس کے لئے اُخریٰ کا لفظ لایا گیا ظاہر ہے لات و عزیٰ ہی کی جنس سے ہے۔ پتھر کے دیوی دیوتا۔

علامہ آلوسیؒ کو اپنی رائے پر اس حد تک اصرار ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم آگے اس مسئلے پر مزید تحقیق پیش کریں گے اور اسی کے ساتھ مشہور امام نحو اخفش کی تحقیق سپرد خامہ کرتے ہیں کہ ان العرب لا تستعمل آخر الا فیما ھو من صنف ما قبلہ (اہل عرب جب بھی کسی شے کے ساتھ لفظ آخر بولتے ہیں ان کی مراد اسی شے کی ہم جنس دوسری شے ہوتی ہے نہ کہ غیر جنس) پھر وہ حدیث مثال میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں وحاصل ھذا انہ لا یوصف بآخر الا ما کان من جنس ما قبلہ لتبیین مغایرۃ فی محل یتوھم فیہ اتحادہ ولو تاویلاً۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زمخشری کی رائے اس مسئلے میں حجت نہیں ہے سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سب کے باوجود مذکورہ نوٹ کیسے درج تفسیر ہو گیا۔

(۱۱) آیت ۱۴۰ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ الآیہ میں مضمون بیان ہوا ہے کہ :-

"جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے" (ترجمہ شیخ الہند)

اس کے ذیل میں تفسیر ماجدی کا نوٹ ہے :-

"فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسقوں کی مجلس میں شرکت جس وہ فسق میں نہ مشغول ہوں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ لیکن اس قسم کے فقہی احکام کا وجوب مشروط ہے حکومت اسلامی کے ساتھ"

پتہ نہیں فاضل مفسر نے یہ کیا کہدیا۔ کیا آج جب کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے یہ بات جائز ہے کہ ہم فساق کی ان محفلوں میں بیٹھے رہیں جہاں آیاتِ الٰہی سے استہزاء اور ٹھٹول کیا جا رہا ہو۔ بظاہر تو یہ حکم ان احکام میں نہیں معلوم ہوتا جو اسلامی حکومت سے مشروط ہوں۔ فساق کی مجالس میں شریک رہنا تو آج بھی مکروہ ہے جب کہ وہ خدا اور اس کے کلام کا مذاق نہ اڑا رہے ہو۔ اور یہی شرکت آج بھی احرمُ الحرام ہے اگر وہاں یہ شغلِ شیطانی بھی جاری ہو۔ غالباً ممدوح کی مراد کچھ اور ہی ہو گی جو الفاظ سے ظاہر نہ ہو سکی یا پھر ہماری ہی سمجھ یہاں ناکارہ ہو گئی ہے۔

سورۃ النساء ختم ہوئی۔ اب سورۂ مائدہ پر نظر ڈال لی جائے۔

(۱) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (پہلی آیت) ترجمہ :- اے ایمان والو (اپنے) معاہدوں کو پورا کرو۔

ہماری ناقص رائے میں یہاں "معاہدوں" کا لفظ موزوں نہیں ہے۔ خود فاضل مفسر اپنے تفسیری نوٹ میں بجا طور پر فرما رہے ہیں کہ لفظ عقد یہاں ہر عہد شرعی کو شامل ہے اور "قول و قرار" کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ "قول و قرار" بہترین لفظ تھا۔ اگر اسی کو ترجمے میں رکھدیا جاتا تو بہت اچھا رہتا۔ معاہدے کا اطلاق ہماری بول چال میں ہر وعدے اور عہد پر نہیں ہوتا۔ مثلاً میں نے دکاندار سے کوئی چیز قرض خریدی اور کہا کہ آٹھ دن میں پیسے ادا کردوں گا۔ تو اس کہنے کو "وعدہ" بولیں گے نہ کہ معاہدہ۔ اور اگر میں آٹھ دن میں ادا نہ کر سکا تو دکاندار مجھ سے یوں نہیں کہے گا کہ تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی بلکہ یوں کہے گا کہ تم نے وعدہ خلافی کی۔

آیت میں چونکہ سارے ہی وعدوں اور عہدوں کو شامل کیا گیا ہے اس لئے عقد کا صحیح ترین ترجمہ یا تو "عہد" ہوتا یا قول و قرار۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر، حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ "عہدوں" لکھتے ہیں نہ کہ "معاہدوں" مولانا مودودی نے "بندشوں" ترجمہ کیا ہے۔ یہ اگرچہ روزمرہ سے مطابقت نہیں رکھتا مگر غلط بھی نہیں ہے۔

---

(۲) آیت ۴ :- یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا اُحِلَّ لَھُمْ۔ ترجمہ :- "آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیز (کھانے کی) ہم پر حلال کی گئی ہے۔"

معمولی سا تسامح اس ترجمے میں لفظ "ہم" ہے۔ آیت میں لَنَا نہیں آیا لَھُمْ آیا ہے۔ پھر لَنَا کا ترجمہ کیوں۔ مذکورہ چاروں مفسرین لھم ہی کا ترجمہ کرتے ہیں :-

"لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور اُن کیلئے حلال کئے گئے"

یہ مولانا تھانویؒ کا ترجمہ ہے۔ اس میں "ہم" نہیں بلکہ "اُن" کہا گیا تاکہ ضمیر قرآنی سے مطابقت رہے۔ اسیطرح باقی تینوں مفسرین نے بھی۔

صیغے اور ضمیر کو ترجمے میں بدل دینا ایسے مواقع پر تو بلاشبہ درست ہے جہاں جوں کا توں ترجمہ اردو محاورے کے اعتبار سے ناموزوں ہو۔ مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں

لہٰذا احوط یہی ہے کہ ضمیرِ قرآنی سے مطابقت رکھی جائے۔

---

(۳) آیت ۷:۔ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ۔
ترجمہ:۔ (آپ کہہ دیجئے تو پھر خدا تمھیں گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے) یہاں دوسری ضمیرِ خطاب کا ترجمہ رہ گیا۔ بذنوب نہیں کہا گیا بلکہ بذنوبکم کہا گیا۔ صحیح ترین ترجمہ یوں ہوتا ـــــ "تمھیں تمھارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے"۔

---

(۴) آیت نمبر ۳۳ میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو اللہ اور رسولؐ سے لڑتے اور فساد پھیلاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ انھیں قتل کر دو یا سولی دو یا ان کے ہاتھ پیر کاٹو یا يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ۔ اس فقرے کا ترجمہ فاضلِ مفسر نے یہ کیا:۔

"یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں"۔

ہمارے ناچیز خیال میں یہاں لفظ "ملک" درست نہیں ہے۔ احناف النفی من الارض کا مطلب "قید کرنا" لیتے ہیں اسے چھوڑیئے۔ شوافع کے نقطۂ نظر سے بھی ترجمہ "شہر بدر" ہوگا نہ کہ "ملک بدر"۔ یہی مذہب ہے حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ اور سدیؒ اور ابن جبیرؒ اور عمر ابن عبدالعزیزؒ کا۔ اس سے مختلف اگر کوئی قول پایا جاتا ہے تو وہ ہے إِلَى بَلَدٍ أَبْعَدَ کا۔ یعنی ذرا دور کے شہر میں نکال دیا جائے (نہ کہ ملک ہی سے نکال دیا جائے)

شاہ صاحبؒ نے ترجمہ "شہر بدر" کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے احناف کا مسلک ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ترجمہ کیا:۔

"زمین پر سے نکال دیئے جائیں" (تھانویؒ)

"دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے" (شیخ الہندؒ)

مولانا مودودی "جلاوطن" کا لفظ لکھتے ہیں۔ یہ بھی اس لئے غلط نہیں کہ اس کا مطلب جہاں "ملک بدر" ہو سکتا ہے وہاں "شہر بدر" بھی ہو سکتا ہے کیونکہ "وطن" کا اطلاق جس طرح پورے ملک پر ہوتا ہے اسی طرح مولد و مسکن پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ہندوستانی دوسرے اجنبی ہندوستانی سے یوں پوچھے کہ آپ کا وطن کہاں ہے تو اس کا مطلب ہندوستان ہی کا وہ خاص شہر دریافت کرنا ہوتا ہے جہاں کا یہ شخص باشندہ ہے۔ لہٰذا مولانا مودودی نے "جلاوطن" کا لفظ اگر اسی محدود مفہوم میں استعمال کیا ہے تو درست ہے۔ "ملک بدر" کے مفہوم میں استعمال کیا ہو تو غلط ہے۔

---

(۵) آیت ۳۷:۔ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا۔
ترجمہ:۔ (چاہیں گے تو نکل آئیں آگ سے حالانکہ اس سے (کبھی) نہ نکل پائیں گے)

صاف ظاہر ہے کہ یہاں لفظ "تو" قلم کی چوک ہے بجائے "تو" کے بیانیہ "کہ" مقام تھا۔

"چاہیں گے کہ نکل آئیں آگ سے ..."

خیال ہے کہ یہ کتابتی غلطی ہوگی۔ فاضل مفسر کا قلم گوہر رقم ایسی چوک نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

---

(۴) آیت ۴۲:۔ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ۔
ترجمہ:۔ "اور اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو (خواہ) ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے (خواہ) انھیں ٹال دیجئے"۔

کہنا صرف اتنا ہے کہ دوسرا "خواہ" بریکٹ میں درست نہیں۔ لفظ اَوْ آیت میں موجود ہے۔ اس کا ترجمہ "یا" کے عوض "خواہ" یہاں غلط نہیں مگر بریکٹ کس لئے بریکٹ تو زائد از متن کی علامت ہے۔

---

(۵) آیت ۶۴:۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ۔
ترجمہ:۔ "اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ بند ہو گیا۔ ہاتھ ان ہی کے بند ہوں!"

یہود کا مطلب یہ تھا کہ اللہ بخیل ہے۔ اس قولِ ملعون کے جواب میں اللہ کہتا ہے غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ فاضل مفسر نے اس کا ترجمہ بد دعا کی حیثیت سے کیا۔ بے شک سلف میں بعض بڑے بڑے فضلاء نے اس فقرے کو بد دعا ہی پر محمول کیا ہے۔ لیکن ہماری ناقص رائے میں بجائے بد دعا کے اسے اخبار و اطلاع کے مفہوم میں لیا جائے تو انسب و اولیٰ ہے جیسا کہ شاہ عبدالقادرؒ۔ حضرت حکیم الامتؒ اور مولانا مودودی نے لیا ہے۔

بند کئے گئے ہاتھ ان ہی کے (شاہ صاحبؒ)
ان ہی کے ہاتھ بند ہیں (حکیم الامتؒ)
باندھے گئے ان کے ہاتھ (مولانا مودودی)

"بد دعا" کسی ایسی شے کے لئے دی جاتی ہے جو ابھی واقع نہ ہو۔ خدا کرے تو مر جائے۔ یہ جملہ زید کے لئے تبھی بولیں گے جب کہ وہ زندہ ہو۔ قول یہود کے جواب میں اگر اللہ نے بد دعا دی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہود ابھی تک بخیل نہیں تھے حالانکہ وہ اس وقت بھی بخیل ہی تھے۔ اسی صورت میں دل لگتا مفہوم یوں بنتا ہے کہ:۔

"یہ نالائق خود تو بخیل ہیں اور کہہ رہے ہیں
اللہ کے بارے میں کہ وہ بخیل ہے۔"

فاضل مفسر نے لفظ یدا کے ذیل میں تو بجا طور پر یہ لکھا کہ غل ید ا بخل کے لئے اور بسط ید ا جود و سخا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن آگے غلت ایدیھم کے ذیل میں تحریر فرمایا:۔

"یہ بد دعا کا کلمہ ہے یعنی افلاس و تنگدستی۔"

حالانکہ بخل اور چیز ہے اور افلاس اور چیز۔ جب ممدوح تسلیم کر چکے کہ آیت میں بخل اور فیاضی کا تقابل ہے۔ نیز یداہ مبسوطتٰن کے ذیل میں انھوں نے تحریر فرمایا:۔

"اور اردو میں بھی غائت فیاضی کے اظہار کے
موقعہ پر بولتے ہیں کہ کوئی ایک ہاتھ سے خرچ
کرتا ہے فلاں دونوں ہاتھوں سے لٹاتا ہے۔"

پھر یہ افلاس و تنگدستی کا ذکر کیوں۔

یہود اللہ کو بخیل کہہ رہے ہیں یعنی مالدار تو ہے مگر کنجوس ہے۔ اللہ جواب میں کہہ رہا ہے کہ یہ ملعون خود کنجوس ہیں اللہ تو فیاض ہے۔ افلاس و تنگدستی کی بحث ہی نہیں۔ بلکہ کسی کو کنجوس کہنے کا تو ضمناً مقصد ہی یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔ مال نہ ہو تو خرچ کرے گا کیسے اور کنجوس کہلائے گا کیوں۔

---

(۶) آیت ۷۰:۔ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

ترجمہ:۔ "یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد کر لیا۔"

اگر لفظ "کر" کتابت کی غلطی نہیں ہے تو ممدوح کا سہوِ قلم ہے۔ "کر" کا یہاں کیا موقعہ۔ اس نے تو معنی ہی الٹ دیئے۔ اگر یوں کہا جائے کہ —— "میں نے زید سے عہد کر لیا ہے کہ اب تیرے گھر نہیں آؤں گا۔" تو ظاہر ہے کہ اس میں عہد کرنے والا خود متکلم ہے۔ آیت کا ترجمہ صحیح یوں ہے،

"اور ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے" (شیخ الہندؒ)

یہاں اللہ عہد کرنے والا نہیں بلکہ لینے والا ہے۔ عہد کرنے والے تو بنی اسرائیل ہیں۔

---

(۷) آیت ۷۸:۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔

ترجمہ:۔ "یہ اس لئے کہ انھوں نے (برابر) نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔"

بڑا حجاب آتا ہے کہ ہم نالائق انشاء کی سلوٹوں پر ممدوح کو ٹوکنے کی جرأت کریں مگر دیانت کے آگے بے بس ہیں۔ ضروری تھا کہ درمیان میں لفظ "تھی" پایا جاتا۔ (نافرمانی کی تھی) یا پھر آخر کا "جاتے تھے" نہ ہوتا بلکہ "نکل گئے" لکھتے۔

"انھوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے آگے
نکل گئے۔" (تھانویؒ)

یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے
گذر گئے تھے۔ (شیخ الہندؒ)

کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ (مودودی)

---

(۸) آیت ۸۱:۔ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ۔

ترجمہ:۔ اور اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں اللہ اور (اس) نبی پر اور جو کچھ اس (نبی) پر نازل ہوا ہے تو وہ لوگوں کو دوست نہ بناتے۔"

معلوم ہوتا ہے حضرت ممدوح بعض مقامات پر نظر ثانی نہیں کرسکے ہیں ورنہ زبان کی ایسی سلوٹیں موجود نہ ہوتیں۔ پہلا فقرہ ــــ "اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں" بتارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ کے لئے ایک بات فرمارہے ہیں اور آخری فقرہ بتارہا ہے کہ بات ماضی کی ہے یعنی یہ لوگ کفار کو دوست بناچکے ہیں۔

ولو کانوا یؤمنون ماضی کا صیغہ ہے۔ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ کانوا نے یؤمنون کو بھی معناً ماضی ہی بنادیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آتے تو کفار کو دوست نہ بناتے۔

اگر کسی وجہ سے مستقبل ہی کا ترجمہ کرنا تھا تو بات یوں کہی جاتی:۔

"اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو کفار کو دوست نہ بنائیں۔"

کم سے کم دونوں فقروں میں مطابقتِ زمانی تو ہوجاتی۔ ضمیر ھُمْ کا ترجمہ بھی چھوٹ گیا ہے ــــ "وہ لوگوں کو دوست نہ بناتے۔" ظاہر ہے کہ یہ ناقص جملہ ہے جب تک "لوگوں" کی مراد واضح نہ ہو ــــ کون لوگ؟ اس کی تشریح ضمیر ھُمْ کررہی ہے یعنی اہل کفر۔ ممدوح کی نظر ہی چوک گئی ورنہ یہ کوئی باریک بات نہ تھی۔

---

(۹) آیت ۹۳ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا۔

(ترجمہ) "جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے ہوں۔"

طَعِمُوا کا تقاضا تھا کہ ترجمہ "ماضی" کا کیا جاتا۔ آیت کی شانِ نزول ــــ جیسا کہ خود ممدوح نے بھی نوٹ میں تسلیم کیا ہے یہ ہے۔

ہم یہاں علامہ عثمانیؒ کا نوٹ نقل کرتے ہیں:۔

"نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم خمر کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کرگئے، مثلاً بعض صحابہؓ جو جنگِ احد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہوگئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئیں۔"

اس شانِ نزول کی روشنی میں ترجمہ وہی ٹھیک ہے، جو شیخ الہندؒ نے کیا ہے۔

"جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھاچکے۔"

یہی اسلوب شاہ عبدالقادرؒ اور مولانا مودودی کا ہے البتہ حکیم الامتؒ نے وہی اسلوب اختیار کیا جو ممدوح مفسر نے اختیار کیا ہے۔ ہم نے یہاں روح المعانی کی طویل بحث کو دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ بہتر اسلوب پہلا ہی ہے نہ کہ دوسرا۔

---

(۱۰) آیت ۱۰۶:۔ اِثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ۔

(ترجمہ) "دو شخص تم میں سے معتبر ہوں یا دو گواہ تم میں سے کے علاوہ ہوں۔"

یہاں عرض کرنا صرف اس قدر ہے کہ "تم میں سے کے علاوہ" آج کل کی زبان نہیں ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ کے یہاں ایسی زبان ملے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر آج کے ایک مستند صاحب قلم ایسی زبان لکھ جائیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ روا روی میں لکھ گئے اور نظر ثانی کا موقع نہیں آیا۔

---

(۱۱) آیت ۱۱۰:- اِذْ قَالَ اللّٰہُ الآیہ۔

(ترجمہ) ۔۔۔۔ "اپنے اُوپر اپنی والدہ کے اُوپر یاد کرو"

لفظ "اور" غالباً کاتب سے چھوٹ گیا ہے۔ ہونا چاہیئے تھا:-

"اپنے اُوپر اور اپنی والدہ کے اوپر"

یہاں سورۂ مائدہ کے ترجمے پر ہماری معروضات ختم ہوئیں۔ اب کچھ اس کے بعض تفسیری نوٹوں پر عرض کر دیں۔

---

(۱) آیت نمبر ۶۰ میں قرآن نے اطلاع دی ہے کہ زمانۂ سابق میں بعض انتہائی نافرمان لوگ اتنے ملعون و مغضوب قرار دیئے گئے کہ اللہ نے انھیں بندر اور سور بنا دیا۔ الفاظ ہیں۔ وَجَعَلَ مِنْھُمُ الْقِرَدَۃَ وَالْخَنَازِیْرَ ممدوح مفسر کا رجحانِ طبع اس طرف ہے کہ یہ لوگ صورۃً بندر اور سور نہیں بنائے گئے تھے بلکہ یہ کنایہ ہے ان کی بدترین اخلاقی اور عملی حالت سے۔ اس رجحان کے لئے کوئی قوی دلیل انھوں نے پیش نہیں کی بلکہ جو خط اس سلسلے میں انھوں نے اپنے مرشد حضرت تھانویؒ کو لکھا تھا اس کا سیر حاصل جواب بڑی عمدگی سے یہ بتا رہا ہے کہ اس تاویل کی کوئی گنجائش آیت میں نہیں۔ پھر بھی ممدوح نہ صرف یہ کہ مطمئن نہیں ہوئے بلکہ اپنے رجحان ہی پر قائم رہے۔ ہم اس پر اس سے زیادہ کیا کہیں کہ یہ ان کا محض رجحان ہے ورنہ دلائل تو اس کے خلاف ہی ہیں اور در منثور والی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔

اسی آیت میں یہ الفاظ ہیں۔ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا۔ اس پر ممدوح کا یہ لکھنا:-

"شر کو یہاں مضاف مکان کی طرف کیا گیا ہے اور مراد اس سے اہلِ مکان نہیں۔"

جھول سے خالی نہیں۔ نحوی اعتبار سے شر مضاف کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس پر تنوین موجود ہے اور مکان مضاف الیہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہ مفتوح ہے نہ کہ مکسور۔ اضافت ہوتی تو اعراب یوں ہوتا شَرُّ مَکَانٍ۔ غالباً ممدوح نے اضافت کا لفظ اسناد کے معنی میں لکھ دیا ہے۔ بہرحال مَکَانًا یہاں تمیز ہے نہ کہ مضاف الیہ اور اسناد کی اس شکل کو اضافت سے تعبیر کرنا اصطلاحِ نحوی کے لحاظ سے مغالطہ پیدا کرنے والا ہے۔

---

(۱۲) آیت ۱۱۹:- لَھُمْ جَنّٰتٌ تا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

(ترجمہ) "ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش رہا اور وہ اللہ سے خوش رہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔"

یہاں بحث یہ ہے کہ "یہی" (ذٰلک) سے اللہ کی کیا مراد ہے؟

ہمارے علم کی حد تک جمہور کی رائے تو یہ ہے کہ اشارہ جملہ ماسبق کی طرف ہے یعنی جنت کی نعمتیں اور اللہ کی خوشنودی دونوں کا حصول۔ اور بعض محققین اس طرف گئے ہیں کہ فوزِ عظیم یہاں اللہ کی رضا جوئی کو کہا گیا ہے۔ ممدوح مفسر نے تحریر فرمایا:-

"لیکن امام رازیؒ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ الفوز العظیم کا تعلق صرف رضوانِ الٰہی سے ہے جس کے مقابلے میں جنت کی عام نعمتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے امام رازیؒ کی عبارت بھی نقل کردی ہے جس کا ترجمہ نہیں دیا لیکن ہمیں اس پر کچھ عرض کرنا ہے اس لئے ترجمہ بھی سن لیجئے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک یہ بالکل ممکن ہے کہ فوز عظیم یہاں صرف رضوان الٰہی کو کہا گیا ہو۔ چنانچہ سوجھ بوجھ رکھنے والوں (ارباب الالباب) کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ جنت کی جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ رضوان الٰہی کے مقابلے میں بس ایسی ہی ہیں جیسے وجود کے مقابلے میں عدم۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ جنت تو بس خواہشات نفس کی مرغوب ہے، اور رضوان حق کی صفت ہے تو ان دونوں میں مناسبت ہی کیا۔"

حضرت مفسر نے امام رازیؒ کا یہ فرمودہ تائید اور تحسین ہی کے سیاق میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:۔

"امام موصوف تصوف کے بھی ذوق شناس تھے خدا جانے خشک متکلم کیسے مشہور ہو گئے۔"

بے شک ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ ارباب تصوف میں یہ انداز فکر خاصا عام ہے جیسے یہاں امام رازی نے پیش فرمایا ہے۔ لیکن ہم جتنا جتنا اس نکتے پر غور کرتے ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں شاعری والا مبالغہ پایا جاتا ہے اور امام رازیؒ جیسے امام عقل و منطق کا اس پر سر دھننا اور اس کی تصویب و تحسین کرنا تصوف ہی کے سایۂ عاطفت کا حاصل ہے نہ کہ عقل و درایت کا۔

امام رازیؒ کتنے ہی بڑے ہوں اور مشائخ و صوفیاء کا کچھ ہی مرتبہ ہو لیکن قرآن سے زیادہ حق مسلمان پر کسی کا بھی نہیں اور یہاں ہماری فہم ناقص محسوس کرتی ہے کہ اس نکتے سے قرآن کی بعض آیات مبین پر حرف آتا ہے۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ قرآن کا حق ادا کریں اور ایک بندۂ ناچیز ہوتے ہوئے بھی اپنے اختلافی خیال کو مدلل طور پر پیش کر دیں۔ جو حضرات حق کو تعصبات سے بلند ہو کر دیکھنے کے عادی ہوں ان کیلئے ہماری معروضات انشاء اللہ وزن سے خالی نہ ہوگی۔

خالص عقل و منطق کے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو جنت کی نعمتوں میں اور رضوان الٰہی میں تقریباً ایسا ہی رشتہ ہے جیسا تخم اور پھل یا اثر اور مؤثر یا سبب اور مسبب یا علت اور معلول میں ہوتا ہے۔ خوشنودی اور ناخوشی، محبت اور نفرت، رضا اور غضب مجرد کیفی چیزیں ہیں جن کا احساس و ادراک آثار و مظاہر کے بغیر ممکن نہیں جس طرح رضا یا غصّہ یا درد و کرب الگ مجسّم نہیں ہوا کرتے بلکہ کسی نہ کسی حسّی مظہر ہی میں خود کو ظاہر کرتے ہیں اسی طرح اللہ کی خوشنودی کوئی ایسی شے نہیں جو مظاہر اور آثار و علامات سے الگ ہو کر انسانی ادراک و احساس کی گرفت میں آسکے۔ لہٰذا اسے دوسری نعمتوں کے مقابلے میں رکھنا کم و بیش ایسا ہی ہے جیسے روح اور جسم کو یا بیج اور پھل کو یا اثر اور مؤثر کو ایک دوسرے کے بالمقابل رکھا جائے۔

کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساری قیمت سورج کی ہے روشنی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پھل پھول ذرا بھی اہم نہیں تمام اہمیت تخم کی ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطلوب صرف کرنٹ ہے وہ روشنی کچھ نہیں جو اس کرنٹ سے جلنے والے قمقمے دے رہے ہیں؟

ہمارا ناقص خیال ہے کہ ایسا تقابل بنیاداً ہی غیر منطقی ہے اور اسے صرف شاعری کے زمرے میں رکھنا چاہیئے۔ شاعری یقیناً سات سمندروں کے موتی ایک سہرے میں گوندھ سکتی ہے اور ایسا ہی مبالغہ اس دعوے میں ہے کہ رضوان الٰہی کے مقابلے میں جنت کی نعمتیں لاشئی کا درجہ رکھتی ہیں۔

دوسرا پہلو فطرت انسانی کا ہے۔ اللہ نے انسان کو جس فطرت پر بنایا ہے وہ کسی کو ناگوار اور ناپسند ہو تو اس کی شکایت وہ اللہ سے کرے۔ فطرت بہرحال انسان کی یہی بنائی گئی ہے کہ وہ بعض قوی ترین شہوات کا غلام ہے۔ یہ شہوات اس کی جبلّت ہیں۔ عین وہ فطرت ہیں

جو آدم و حوا سے چلی آ رہی ہے۔ کسی کی شاعرانہ نکتہ سنجیوں سے یہ فطرت بدل نہیں سکتی اور اللہ خود اس فطرت کی اس حد تک پاسداری کرتا ہے کہ قرآن میں ایک دو جگہ نہیں سیکڑوں جگہ جنت کی بیش بہا نعمتوں کو کھول کھول کر بیان فرمایا اور کھلے الفاظ میں ان کی ترغیب دی۔ حرص دلائی۔ یہاں تک کہا کہ مومنین کی جانوں کو جنت کے عوض خرید لیا گیا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس فطرت کیلئے جنت کی نعمتیں کسی قدر و قیمت کی حامل نہ ہوں اور مجرد وہ رضوان الٰہی اسے تسکین دیدے جس کا احساس و ادراک بھی وہ ان نعمتوں کے بغیر نہیں کر سکتا جو مجسّم ہو کر اس کے سامنے نہیں آ سکتی جو محض ایک کیفی اور معنوی شے ہے۔

پھر آئیے قرآن کے دیگر مقامات بھی دیکھ لیں۔ یہ ذٰلک الفوز العظیم والا فقرہ بس یہیں تو نہیں آیا ہے۔ اور بھی متعدد مقامات پر آیا ہے۔ قرآن ہی سے قرآن کی تفسیر ہو جائے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے۔

جس آیت پر گفتگو چل رہی ہے اس میں جنت کا ذکر پہلے آیا اور رضوانِ الٰہی کا بعد میں۔ پھر فرمایا گیا ذٰلک الفوز العظیم۔ اس طرح ذٰلک اور رضوانِ الٰہی میں لفظی قرب بے شک ہو گیا لیکن یہی قرب اگر یہ اجازت دیتا ہے کہ مشارٌ الیہ صرف رضوانِ الٰہی کو مانکر جنت کو خارج کر دیا جائے تو پھر سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت کے بارے میں کیا کہا جائیگا

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (آیت ۱۰۰)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں رہا کریں ہمیشہ ان ہی باغوں میں۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

یہاں مائدہ والی آیت کے برعکس رضوانِ الٰہی کا ذکر پہلے ہے اور جنت کا بعد میں۔ اس طرح لفظی قرب ذٰلک کا جنت کے ساتھ ہوا تو کیا یہاں یہ کہہ سکیں گے کہ فوزِ عظیم صرف جنت کو کہا گیا ہے رضوانِ الٰہی اس سے خارج ہے۔

اگر نہیں کہہ سکیں گے اور یقیناً نہیں کہہ سکیں گے تو پھر مائدہ والی آیت میں آپ جنت کو خارج کیسے کئے دیتے ہیں۔ اس آیت سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ذٰلک کا مشارٌ الیہ وہ سب چیزیں ہیں جو پہلے بیان ہوئیں نہ کہ صرف وہ چیزیں جو قریب تر واقع ہے۔ لہٰذا یہی ذٰلک جب دوسری اسی نوع کی آیت میں واقع ہو رہا ہے تو وہاں بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جنت اور رضوانِ الٰہی دونوں کی طرف اشارہ ہے نہ کہ تنہا رضوانِ الٰہی کی طرف۔

اب آئیے بعض اور آیات بھی دیکھئے جو ڈنکے کی چوٹ کہہ رہی ہیں کہ جنت اور اس کی نعمتیں کسی بھی دوسری شے کے مقابلے میں ہیچ اور بے قیمت نہیں ہیں بلکہ ان ہی کا حصول اللہ کے نزدیک بندے کی زبردست اور واضح اور بڑی کامیابی ہے۔

(۱) سورۂ مومن کی آیت ۹ میں فرمایا گیا:-

"اور جس کو تو بچائے برائیوں سے اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پانی وذٰلک ھو الفوز العظیم (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یعنی قیامت کے دن بندے کا پریشانی اور گھبراہٹ اور غم سے بچ جانا' برائیوں کی سزا سے چھٹکارا پا جانا اور رحمت خداوندی سے بہرہ ور ہونا ہی فوزِ عظیم ہے۔ عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ یہاں ھُوَ کے اضافے نے حصر پیدا کر دیا ہے یعنی لفظ "یہی" پر خوب زور دے کر پڑھیئے کہ "درحقیقت یہی ہے فوزِ عظیم"۔

فیصلہ کر لیا جائے کہ یہاں مجرد رضوانِ الٰہی کو نہیں بلکہ عذاب سے بچنے اور رحم و کرم سے مستفیض ہونے کو فوزِ عظیم کہا گیا ہے جو ثمرہ اور مظہر ہے رضوانِ الٰہی کا۔

(۲) سورۂ دخان آیت ۵۶ و ۵۷ میں فرمایا گیا:-

"اور بچایا ان کو دوزخ کے عذاب سے فضل سے

تیرے رب کے یہی ہے بڑی مراد ملنی ذٰلک ھو الفوز العظیم ۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہاں بھی وہی بات کہ بندوں کی راحتِ جسمانی کو فوزِ عظیم قرار دیا گیا نہ کہ کسی ایسی شے کو جو سرتاسر کیف اور معنی ہو یعنی رضوانِ الٰہی ۔

(۳) سورۂ جاثیہ آیت ۳۰ میں فرمایا گیا:۔

"سو جو لوگ یقین لائے ہیں اور بھلے کام کئے سو ان کو داخل کرے گا ان کا رب اپنی رحمت میں۔ یہ جو ہے یہی ہے صریح مراد ملنی۔ ذٰلک ھو الفوز المبین" (شیخ الہندؒ)

رحمت میں داخل کرنے کا مطلب متفق علیہ طور پر یہ ہے کہ انھیں جنت میں داخل کرے گا جہاں طرح طرح کی نعمتیں ہوں گی اور کرب و الم کا نام نہ ہوگا۔ پھر کیا یہ حصولِ جنت ہی کو صریح کامیابی قرار نہیں دیا گیا۔ کھلی کامیابی واضح اور عیاں۔

(۴) سورۂ فتح آیت ۵ میں فرمایا گیا:۔

"تا کہ پہنچا دے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں ہمیشہ رہیں۔ اور اُتارے ان پر سے ان کی برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی وکان ذٰلک عند اللہ فوزا عظیما (ترجمہ شیخ الہندؒ)

کیا اس پر کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟

جو کچھ برائیاں سرزد ہو گئی ہیں ان کی پاداش میں سزا نہ ملنا اور ایمان و عمل کے عوض جنت میں داخل کر دیا جانا اسی کو اللہ فوزِ عظیم کہہ رہا ہے اور عند اللہ کا لفظ بڑھا کر اس وسوسہ کو بھی ختم کر دیا کہ کہیں اس عظیم کامیابی کو محض انسانی شہوات کی کامیابی قرار دے کر اس کا رتبہ گھٹانے لگو۔ نہیں یہ خود اللہ کے نزدیک بھی فوزِ عظیم ہے۔ زبردست کامیابی۔

صاف ظاہر ہے کہ جب اللہ ہی نے انسانی فطرت شہوات و خواہشات کے خمیر سے اٹھائی ہے تو اسے یہ بات کھٹکنی کیوں لگی کہ آدمی جنت کی نعمتوں کو فوزِ عظیم سمجھے اور خوش ہو۔ نعمتوں کی تحقیر و تخفیف حقیقۃً نعمت بخشنے والے کی تحقیر ہے۔ نعمتوں ہی سے تو آخرت میں بندے اندازہ لگا سکیں گے کہ اللہ راضی ہے۔ جو نعمتیں رضائے الٰہی کے علم و ادراک کا واحد ذریعہ ہوں ان ہی کو اتنا گھٹانا اور بے حقیقت قرار دینا جتنا امام رازیؒ کے نکتۂ مذکورہ میں نظر آ رہا ہے ہم نہیں سمجھتے کہ پروازِ تخیل کے سوا کیا معنی رکھتا ہے۔

(۵) سورۂ صف کی آیت ۱۲ میں فرمایا گیا:۔

"بخشے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں۔ اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی ذٰلک الفوز العظیم (〃)

عین وہی بات۔ مجرد اور خیالی رضوانِ الٰہی کو نہیں بلکہ رضوانِ الٰہی کے لازمی ثمرات و اثرات کو، جنت کی نہروں اور مکانوں کو، جسمانی راحت و آرام کو فوزِ عظیم کہا جا رہا ہے۔ یہ سب بہ الفاظِ امام رازیؒ "مرغوب الشہوۃ" یقیناً ہیں مگر اسے کیا کیجئے کہ خود مالک الملک، خالقِ اکبر ہی مرغوباتِ شہوۃ کے حصول کو زور و شور سے فوزِ عظیم کہے چلا جا رہا ہے۔

(۶) سورۂ تغابن آیت ۹ میں فرمایا گیا:۔

"اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا اُتار دے گا اس پر سے اس کی برائیاں اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں رہا کریں ان میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی مراد ملنی ذٰلک الفوز العظیم (〃)

خوب غور سے دیکھئے کیا یہاں رضوانِ الٰہی کا مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں۔ رضوان کے بجائے ان ہی نعمتوں کا تذکرہ ہے جو رضوان کا حاصل ہیں اور جنھیں متصوفانہ نقطۂ نظر ہیچ قرار دیتا ہے۔ یعنی جنت۔ وہاں کے دلفریب نظارے۔ شادابی و رعنائی۔ خوفِ مرگ سے بے فکری۔ عیشِ دوام۔ اسی مرغوب الشہوۃ کو اللہ نے فوزِ عظیم فرمایا۔

(۷) سورۂ بروج آیت ۱۱ میں فرمایا گیا:۔

"بے شک جو لوگ یقین لائے اور کیں انھوں نے

بھلائیاں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی
ہیں نہریں۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی ذٰلک الفوز
الکبیر (بروج)

یہاں بھی عین وہی صورتِ حال۔ اس بابِ لباب نے امام رازیؒ کے بیان کے مطابق جو بھی فرمایا ہو یا آج فرمائیں مگر ہم بے وقوف تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ رب العزۃ نے بار بار دہرا تہرا کر فوزِ عظیم بندوں کے جسمانی عیش و آرام اور "مرغوب الشہوۃ" نعمتوں ہی کو قرار دیا ہے۔

یہ آٹھ آیات ہم نے نقل کیں جن میں حصولِ جنّت کو قرآن نے بلا ابہام اور بلا ریب فوزِ عظیم اور فوزِ کبیر اور فوزِ مبین ارشاد فرمایا۔ اب کیا اس کے بعد بھی یہ جائز ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا شیخ اور امام اور قطب کسی آیتِ قرآنی سے ایسا نکتہ اخذ کرے جس کا مطلب یہ ہو کہ فلاں شے کے مقابلے میں جنّت پھوٹی کوڑی کی قیمت نہیں رکھتی۔ فوزِ عظیم تو درکنار وہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں۔ اسے اہمیت دینا اور مرغوب رکھنا شہوت جیسے گھٹیا عنوان کا مستحق ہے۔

ایک آیت قرآن میں بے شک ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی برتری اور بڑائی کو مستقلاً بیان فرمایا ہے۔ سورۂ توبہ آیت ۷۲ میں فرمایا گیا:۔

"وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں اور ستھرے مکانوں کا رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی ان سب سے بڑی ہے۔ یہی ہے بڑی کامیابی ذٰلک ھو الفوز العظیم (بروج)

لیکن یہاں یہ تو نہیں کہا گیا کہ رضائے الٰہی کے مقابلے میں جنت کی نعمتیں لاشئی اور عدم کے درجے میں ہیں۔ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی رضا ان سب سے بڑھ کر ہے۔

اور کیوں بتایا گیا؟ اس پر بھی غور کر لیجئے۔ حاصل اس بتانے کا بھی یہی نکلے گا کہ بندوں کے لئے جنت کی نعمتیں بے حد اہم اور قیمتی ہیں۔

انسانی اعمال محدود ہیں۔ بڑی سے بڑی نیکی بھی تھوڑے سے وقت کا ایک عمل ہے لہذا انسانی عقل یہ سوچ سکتی ہے کہ جنت کی جو نعمتیں بدلے میں ملی ہیں وہ بھی کہیں محدود اور فانی نہ ہوں۔ وہ بھی کہیں ایک دن سلب نہ کر لی جائیں۔ چند روزہ طاعت و بندگی کے صلہ میں لازوال اور بیکراں انعام کا تصور چونکہ فہم انسانی سے بعید ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ خلود اور ابدیت کی وضاحت فرمائی یعنی جنت اب چھنے گی نہیں۔ ہمیشہ اسی میں مزے کئے جاؤ گے۔ اسی بقائے دوام کے مژدۂ جانفزا کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ رضوانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَر۔ فرمایا گیا یعنی اے بندو! اللہ اب تم سے راضی ہو چکا ہے۔ یہ اندیشہ مت کرو کہ جو کچھ ملا ہے چھن جائے گا۔ یہ تو ہمیشہ ہمیش کو تمھارا ہو گیا کیونکہ ان سب نعمتوں کا مالک تم سے خوش ہے۔

ظاہر ہے کہ نعمتوں کا میسر آنا جتنی بڑی کامیابی ہے اس سے کہیں بڑی کامیابی یہ ہے کہ یہ نعمتیں دائم قائم رہیں۔ چھننے کا خوف و خطر مٹ جائے۔ ہمیشگی کا تصور دل کو فرحت و لذت سے بھر دے۔ کسی شخص سے آپ یوں کہیں کہ تم ہم سے یا تو بادشاہت لے لو جو تمھیں سال بھر تک ملی رہے گی۔ جی بھر کر مزے اُڑانا۔ پھر سال بھر بعد یہ تم سے چھن جائے گی اور پھر سے فقیر و قلاش بنا دیئے جاؤ گے۔

یا پھر ہزار دو ہزار بیگھوں پر مشتمل جاگیر لے لو جسے تم سے کبھو نہیں چھینا جائے گا۔ ہمیشہ اسی پوزیشن میں رکھے جاؤ گے نوکر چاکر لونڈی غلام کھیت مکان سب ابدالآباد تک تمھاری ملکیت رہیں گے۔

کھلی بات ہے کہ ہر صاحبِ فہم یک سالہ بادشاہت کے مقابلے میں مذکورہ جاگیر داری کو پسند کرے گا کیوں کہ بادشاہت اگرچہ مقابلۃً بڑی نعمت ہے مگر محدود و مستعجل ہے اور جاگیرداری اگرچہ نسبتاً معمولی ہے لیکن بقائے دوام

نے اسے مذکورہ بادشاہت پر فوقیت دیدی ہے۔

بس اسی مفہوم کو ذہن نشین کرانے کے لئے اللہ نے فرمایا کہ رضوانِ الٰہی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اسکی وجہ سے نعمتوں کی بقائے دوام کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔ انصاف کیا جائے کہ کیا اس اندازِ کلام سے جنت کی نعمتوں کا حقیر اور غیر اہم ہونا ثابت ہوا یا قدر و قیمت کچھ اور بڑھ گئی۔ کوئی بزرگوار ہماری اس ترجمانی کو نہ مانیں تو انھیں حق ہے کہ کوئی اور ترجمانی فرمالیں لیکن ایسی کوئی ترجمانی اور تفسیر جائز قرار نہیں دی جاسکتی جس سے جنت کا حقیر و بے قدر ہونا لازم آئے کیونکہ ایک نہ دو آٹھ آیات میں اللہ تعالیٰ جنت کے حصول کو فوزِ عظیم و کبیر قرار دے چکا ہے۔ اور ایسی تفسیر کسی بھی مستند مفسر نے جائز نہیں رکھی جو بعض آیات کے خلاف جاتی ہو۔

ہم نے جو ترجمانی کی اس کی تائید میں ایک حدیث صحیح بھی دیکھ لی جائے۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا۔ جنتی "لبیک" کہیں گے۔ اللہ پوچھے گا — ھل رضیتم؟ (کیا اب تو تم خوش ہو گئے؟) جنتی کہیں گے — لے ہمارے رب خوش کیوں نہ ہوں گے، آپ نے ہمیں اپنی ساری نعمتیں عطا کر دی ہیں۔ اللہ کہے گا — اچھا کیا تم لوگ اس سے بھی بڑھ کر کچھ لینا چاہتے ہو جو کچھ اب تک دیا گیا ہے؟ جنتی کہیں گے — اے پروردگار اس سے بڑھ کر بھلا کیا ہوگا۔ اللہ فرمائے گا۔ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا (اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اُتارتا ہوں جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہوگی۔ ترجمہ)

دیکھ لیجئے۔ اللہ کے پوچھنے پر بندوں نے یہی تو کہا کہ ہمیں ان نعمتوں پر خوشی ہے جو ہمیں دی گئی ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ ان نعمتوں میں کیا رکھا ہے ہمیں تو آپ کی رضا چاہئے۔ ایسا کیونکر کہتے جب کہ وہ جان رہے تھے کہ یہ نعمتیں رضا ہی کے نتیجے میں میسر آئی ہیں اور جب کہ انسانی فطرت ہی شہوات و خواہشات سے عبارت ہے تو مجرد ایک تصوراتی اور خیالی رضا کی طلب بھی یہ فطرت کر کیسے سکتی ہے۔

پھر اللہ نے بھی بندوں کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ نالائقو! تم مرغوب الشہوۃ چیزوں پر خوش ہو۔ تم نے بڑی گھٹیا چیزوں کو اہمیت دے لی ہے بلکہ یہ پوچھا کہ کیا اس سے بڑھ کر تمھیں کچھ نہ دوں؟۔ اس سوال سے جنت کی اہمیت ہی ثابت ہوتی ہے نہ کہ تحقیر۔ جواب میں بندے جو کچھ کہتے ہیں اس سے بھی ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں ہی ان کی رغبت و طلب کا آخری افق ہوں گی۔ وہ ان نعمتوں کو ایسی چیز نہیں سمجھیں گے جسے رضوانِ الٰہی کے مقابلے میں رکھا جائے بلکہ رضوانِ الٰہی ہی کا مظہر اور اثر اور ثمر تصور کریں گے۔ اسی لئے وہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ اب بھلا کیا چیز رہ گئی جو اللہ عطا کرے گا۔

اللہ جواب دیتا ہے کہ میں اپنی رضا تمھیں عطا کرتا ہوں۔ اس کا مطلب یقینی طور پر رضائے دائمی ہے کیونکہ وقتی رضا تو جنت کی شکل میں پہلے سے موجود ہے۔ جنت ملتی ہی کیسے اگر اللہ راضی نہ ہو گیا ہوتا۔ چنانچہ خود باری تعالےٰ اپنی رضائے دائمی کا مطلب اور منشاء بیان فرما دیتا ہے کہ:-

"اب کبھی تم سے ناخوش نہیں ہوں گا۔"

گویا جنت کی جو نعمتیں تمھیں ملی ہیں وہ مجرد ایمان و عمل کا بدلہ نہیں بلکہ ان کے پیچھے رضائے الٰہی کارفرما ہے۔ پس مت ڈرو کہ ایمان و عمل تو محدود و مؤقت تھے کہیں ان کا بدلہ بھی محدود و مؤقت نہ ہو۔ ہم تمھیں نوید دیتے ہیں کہ اب تم سے کبھی خفا نہ ہوں گے اور ہماری رضا دائماً تمھارے لئے مقدر ہو چکی۔

اچھی طرح غور کر لیجئے کیا یہاں بھی دوام نعمت ہی کو مژدہ جانفزا قرار نہیں دیا گیا۔ کیا ارشادِ الٰہی صریح طور پر یہ نہیں جتاتا کہ جو مرغوب الشہوۃ نعمتیں تمھاری مسرتوں کا باعث ہیں انھیں دوام عطا کیا گیا۔ مجرد رضا (یا بہ الفاظِ مناطقہ مِن حیث ھی ھی) اور فی نفسہٖ خوشنودی ایسی چیزیں نہیں جس کا احساس و ادراک اور خیال و تصور انسان اثرات و علامات کی لاگ اور اضافت کے بغیر کر سکے۔ شاعری کی بات الگ ہے۔ وہ رگِ گل سے بلبل کے

پر بھی باندھ دیتی ہے مگر یہ معاملہ قرآن کا ہے۔ قرآن ہانکے پکارے کہے چلا جارہا ہے کہ حصولِ جنت فوزِ عظیم ہے لہٰذا ایسی شاعری قابلِ قبول نہ ہو گی جو آیاتِ محکمات کی تردید و تغلیط کرے۔

مسئلہ باریک ہے۔ ایک اور طرح بھی سوچئے۔ مقابلہ حسّی اور مرئی نعمتوں میں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً پیاس کے وقت پانی کی جو قیمت ہے وہ سونے کے پہاڑ کی بھی نہیں۔ یا بھوک کے وقت غذا کی جو قیمت ہے وہ ہیروں کی بھی نہیں۔ لیکن رضائے الٰہی کوئی ایسی حسّی نعمت نہیں ہے جو کسی مظہر اور علامت کے بغیر جانی اور محسوس کی جا سکے۔ وہ مجردکیف ہے۔ معانی کی طرح الفاظ میں بند۔ روح کی طرح جسم میں کارفرما۔ چھونے۔ دیکھنے۔ سونگھنے اور چکھنے سے بالاتر۔ پھر جنت کی حسّی اور مرئی نعمتوں سے اس کا مقابلہ کیا۔ ان نعمتوں ہی کے ذریعہ تو سراغ لگے گا کہ اللہ راضی ہے۔ رضا کسی مجسم شکل میں الگ ہو کر سامنے نہیں آئیگی کہ انسانی حواس اسے گرفت میں لے سکیں۔ جنت کی حوریں ہوں۔ باغات ہوں۔ قیام گاہیں ہوں مشروبات ہوں۔ غذائیں ہوں ان سب کی رگ رگ میں رضائے الٰہی روح کی طرح جاری وساری ہے۔ یا یوں کہئے کہ جیسے الفاظ کے بطن میں معانی سمائے رہتے ہیں یا یوں کہئے کہ جیسے کاغذ یا لوح پر نظر آنے والے الفاظ کی نس نس میں اُس قلم کی جنبش و حرکت محفوظ و موجود ہے جس نے انھیں تحریر کیا ہے۔ ایسی صورت میں جنت کی حاصل شدہ نعمتوں کو اور رضائے الٰہی کو الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل رکھنا اس قدر عجیب ہے کہ امام رازیؒ جیسے منطقی اور معقولی سے اس کا انتساب ستم ظریفی ہی کے مرادف معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو ایک شے کو خود اسی شے کے مقابل رکھنا ہوا۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ جزو بعض دفعہ کُل سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ مور کی دُم اس کے باقی جسم سے بڑی ہے۔ اس قول میں عیب یہ ہے کہ دُم کو چھوڑ کر باقی جسم کو پورا "مور" مان لیا گیا حالانکہ مور تو دُم سمیت پورے جسم کا نام ہے۔ کم و بیش اسی طرح امام رازیؒ کے زیرِ بحث نکتے میں عیب یہ ہے کہ جنت کی حاصل شدہ نعمتوں کو رضائے الٰہی کا مدِّ مقابل بنا دیا گیا۔ حالانکہ جنت کا حصول عین رضائے الٰہی کا لازمہ اور ثمرہ اور حاصل وصول ہے۔ اثر و مؤثر اور سبب و مسبّب اور تخم و ثمر ایک دوسرے کے متقابل نہیں ہوا کرتے اور اگر بعض مواقع پر تقابل ہی کیا جائے تو پھر انسانی فطرت اور جبلّت یہ ہے کہ وہ اثر اور مسبّب اور پھل کو مطلوب قرار دیتی ہے۔ بیج کتنا ہی قیمتی ہو آدمی کے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں جب تک پھل اس کی جھولی میں نہ پڑ جائے۔ سورج معدوم ہو جائے اور وہ تمام منافع آدمی کو حاصل رہیں جو سورج سے ملتے ہیں تو وہ کبھی پروا نہ کرے گا کہ سورج کیوں نہیں ہے لیکن اگر ایک کی جگہ دس سورج بھی طلوع ہوتے رہیں اور آدمی کو ان سے روشنی اور حدّت اور نمو نہ ملے تو وہ ان دس کے دس کو فضول سمجھے گا۔

اگر امام رازیؒ اور تصوف پسند حضرات کو یہ ضد ہی ہے کہ جنت اور رضوان میں مقابلہ ضرور کریں تو نتیجہ وہ نہیں نکلے گا جو وہ نکال رہے ہیں بلکہ معاملہ اُلٹ جائے گا۔ حدیثِ صحیح ابھی آپ نے پڑھی اس سے ثابت ہے کہ دخولِ جنت کے بعد ایک ایسا وقت بھی ہے جب اہلِ جنت پر اللہ نے اپنی رضائے دائم اُتارنے کا اعلان نہیں فرمایا ہے مگر وہ اس قدر خوش ہیں کہ اس سے زیادہ خوشی کا تصور بھی ان کے بس سے باہر ہے۔ یہ وہی فطرت تو ہے جو اثر اور مسبّب اور پھل سے دلچسپی رکھتی ہے۔ بندوں کو جنت ملی رہتی اور اللہ وہ اعلان نہ فرماتا جو حدیثِ مذکور میں فرمایا تب بھی اہلِ جنت مگن رہتے۔ بس یہ ڈر ضرور انھیں لگا رہتا کہ ایسا نہ ہو اللہ کسی دن یہ نعمتیں چھین لے۔ یہ ڈر بھی نعمتوں ہی کی طلب اور رغبت اور قدر و قیمت کا مظہر ہے نہ کہ کسی شاعرانہ تخیل کا۔ بہرحال مقابلہ کی صورت میں معناً تو بلاشبہ اہمیت اور برتری رضائے

اُنہی کو ہی حاصل ہوگی جیسے کہ معنوی اہمیت تخم کی ہے۔ سورج کو ہے۔ برقی کرنٹ کو ہے لیکن حسّی اور جبلّی اور جذباتی اور طبعی اعتبار سے مطلوب و مرغوب جنت ہی رہے گی جیسے کہ مطلوب پھل پھول ہیں۔ روشنی ہے۔ مدت ہے۔ کرنٹ موجود ہو مگر قمقمہ فیوز ہو جائے تو انسانی سرشت اس منطق سے مطمئن نہیں ہو جائے گی کہ قمقمہ بلا سے نہ جلے اصل چیز تو کرنٹ ہے۔ ہاں قمقمہ جلتا رہے اور کرنٹ نہ ہو تو انسان قطعاً مطمئن رہے گا اور ذرا پروا نہیں کرے گا کہ کرنٹ کہاں گیا۔

آپ کہیں گے یہ ممکن ہی کب ہے کہ کرنٹ نہ ہو اور قمقمہ جلے۔ ہم کہیں گے تو یہی کب ممکن ہے کہ اللہ راضی نہ ہو اور جنت مل جائے۔ جنت کا ملنا تو عین دلیل رضا ہے لہٰذا یہ کہاں کی معقولیت ہے کہ حصولِ جنت کو رضا سے بالکل الگ کر کے بے قیمت اور حقیر قرار دو حالانکہ سورج کی روشنی سورج سے اور پھل تخم سے تقابل کی نسبت نہیں رکھتے۔

اتنا بسط اور طول آپ کو اُکتا بھی سکتا ہے مگر امام رازیؒ اور بعض دیگر اکابر کے مقابلے میں ہم جیسے بے مایہ کی بات اہمیت ہی کیا رکھے گی اگر دلائل شرح و بسط سے سامنے نہ آجائیں۔ پھر بھی ہمارا نقد بے قیمت سمجھا جائے تو کوئی پروا نہیں کہ ہم بہرحال اپنے ضمیر اور دیانت کے تقاضے سے عہدہ برآ ہوئے۔

یہیں۔ اسی آیت میں ایک اور بھی نکتہ امام رازیؒ سے ممدوح مفسر نے نقل کیا ہے ہمیں اس میں بھی کلام ہے۔ آیت کے الفاظ ہیں لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ[1] وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْھِنَّ۔

ترجمہ:۔ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے۔

"مَا فِیْھِنَّ۔ مَا غیر ذوی العقول یا بے جانوں کے واسطے آتا ہے اور مَن ذوی العقول کے لئے۔ امام رازیؒ نے یہ سوال قائم کر کے کہ یہاں مَن کے بجائے مَا کا استعمال کیوں ہوا ہے جواب یہ دیا ہے کہ ساری مخلوقات اپنے مسخّر ہونے کے اعتبار سے خالق کی قضاء قدر کے آگے ایسی ہیں کہ جیسے ان میں جمادات کی طرح نہ کوئی قوت ہے اور نہ بہائم کی طرح عقل ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے وہ گویا بالکل بے قدرت اور اللہ کے سامنے وہ گویا بالکل بے علم ہیں۔"

یہ نکتہ سو فیصدی برحق ہے۔ کس کافر کو اس میں این و آں کی جرأت ہو سکتی ہے۔ لیکن بحث اس میں ہے کہ اس مقام سے یہ نکتہ کیا واقعۃً نکلتا ہے یا نہیں نکلتا؟

ہمارا ناقص خیال ہے کہ نہیں نکلتا۔ دلائل ہمارے خیال کے حسب ذیل ہیں۔

مَن ذوی العقول اور جانداروں کے لئے آتا ہے اس لئے یہاں مَن کا استعمال اللہ تعالیٰ کیسے فرماتا جب کہ مراد زمین و آسمان کی تمام ہی ذی جان اور غیر ذی جان چیزیں ہیں اگر مَن استعمال کیا جاتا تو مطلب یہ نکلتا کہ صرف ذوی العقول ہی اس کی رعایا ہیں۔ جمادات و نباتات پر اس کی حکمرانی نہیں۔ یہ چونکہ غلط بات ہوتی اس لئے مَن استعمال نہیں فرمایا گیا۔

اس صورت میں یہ نکتہ نکالنا کہ مَن فلاں وجہ سے استعمال نہیں کیا گیا ایک زائد اور غیر ضروری بات ہے۔ اسے مناسب اسی صورت میں کہتے جب کہ مَن استعمال کر کے بھی مقصود و مفہوم پورا ہو رہا ہوتا۔

رہا مَا تو اس کا استعمال عام اگرچہ غیر ذوی العقول کے لئے ہے لیکن ذوی العقول کے لئے بھی وہ بارہا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن ہی میں دیکھئے:۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (نساء آیت ۳)	اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا جو کنیز تمہاری ملک میں ہو۔

[1] یہاں سماوات چھپا ہے۔ یہ رسم الخط خلافِ اولیٰ ہے۔

مَن مَلَکَتْ نہیں کہا گیا مَا مَلَکَتْ کہا گیا حالاں کہ کنیزیں ذوی العقول اور ذی جان ہی ہوتی ہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (ر ۲۲) اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہیں

عورتیں جاندار ہی ہوتی ہیں مگر مَن نہیں مَا فرمایا گیا ایسی بہت مثالیں ہیں کہ مَا ذوی العقول کے لئے بولا جائے۔ اور اس سے بھی زیادہ ایسی مثالیں ہیں کہ مَا ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کو شامل کر کے بولا جائے۔ اُردو میں بھی یہ استعمال نادر نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں جگہ طوفان آیا اور جو کچھ تھا سب غرقاب ہو گیا۔ "جو کچھ" لفظِ مَا ہی کا ترجمہ ہے۔ جاندار اور غیر جاندار سب اس جملے میں آ گئے۔

اس کے برخلاف مَن بے جانوں کے لئے نہیں بولا جاتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مَا استعمال فرمایا جو سب کچھ اور جو کچھ کا مرادف ہے۔ اس سے وہ باریکی نکالنا جو امام رازیؒ نے نکالی ہے اگر معقول ہے تو پھر مَا مَلَکَتْ اور مَا نَكَحَ سے بھی یہی باریکی نکلنی چاہئے۔ حالانکہ عورت خواہ وہ بیوی ہو یا کنیز اتنی بے رتبہ اور بے قیمت تو نہیں ہے کہ مرد کے مقابلہ میں اسے جمادات و نباتات کا مماثل سمجھ لیا جائے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ نکتہ اسی وقت قابلِ قدر ہو سکتا تھا جب کہ مَا کا استعمال صرف غیر ذوی العقول میں محدود ہوتا اور جانداروں کے لئے یہ بولا ہی نہ جاتا مگر یہ خلافِ واقعہ ہے لہٰذا نکتہ بھی بے محل ہی ہے۔ ھٰذا مَا عندی والعلم عند اللہ۔

سورۂ مائدہ کا مذاکرہ تمام ہوا۔ بقیہ سورتوں پر انشاء اللہ آئندہ عرض کریں گے۔ البتہ تین طباعتی غلطیاں یاد کر گرفت میں آئی ہیں انھیں محترم ناشر نوٹ فرما لیں:۔

صفحہ ۴۲۹۔ اعراف آیت ۱۹۱۔ امثالکم (صحیح امثالُکم)

صفحہ ۶۸۱۔ انفال آیت ۵۶۔ خَلْفِهِمْ (صحیح خَلْفَهُمْ)

صفحہ ۷۱۲۔ توبہ آیت ۲۹۔ لفظ بِاللّٰہِ مرڈبل لکھا گیا۔

درسِ قرآن

آسان زبان میں قرآن سمجھنے کا بہترین سلسلہ

اُردو میں یوں تو اللہ کے فضل و کرم سے ایک سے ایک تفسیریں موجود ہیں لیکن ان کی علمی سطح کافی بلند ہے اسلئے ضرورت تھی کہ ایک ایسی تفسیر سامنے آئے جو علمی اعتبار سے تو مستند ہو لیکن زبان اور اندازِ بیان کے اعتبار سے بالکل عام فہم ہو جسے عورتیں اور نوجوان بچے اور کم پڑھے لکھے مرد بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ تفسیر جس کا نام درس قرآن ہے ایسی ہی تفسیر ہے۔ اصلاً یہ مولانا اشرف علیؒ کی تفسیر ہے اور حواشی مولانا ظفیر احمد استاد دار العلوم دیوبند کے ہیں لیکن زبان کو نہایت آسان کر دیا گیا ہے۔

یہ تفسیر مکمل موجود ہے جسکی مجموعی قیمت ڈیڑھ سو روپئے ہوئی ہے لیکن عام لوگوں کی آسانی کیلئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ دس جلدیں الگ الگ بندھوالی ہیں اور فی جلد بجائے پندرہ روپے کے بارہ ۱۲/ روپے میں دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

مزید رعایت:۔ آپ دو روپے بھیجکر ممبر بن جائیں تو ڈاک خرچ بھی آپ کو معاف ہوگا اور ہر مہینے ایک جلد صرف بارہ روپے کے وی پی سے آپ کو بھیجدی جائے گی۔ اور اگر آپ مالی گنجائش کی کمی کے باعث یہ چاہیں کہ ہر جلد دو مہینے بعد بھیجی جائے تو ایسا بھی کر لیا جائے گا۔

گویا دو روپے فیس ممبری داخل کرنے کے بعد ڈیڑھ سو روپے قیمت کی مکمل تفسیر آپ کو صرف ایک سو بیس ۱۲۰ روپے میں مل جائیگی اور دس جلدیں مفت رہیں اور رقم بھی آسان قسطوں میں ادا ہوگی (جو لوگ مکمل تفسیر ایک ہی وقت میں لینا چاہیں انھیں فیس ممبری کے بغیر ہی ایک سو بیس ۱۲۰ روپے میں دے دی جائے گی۔ البتہ اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں کرایہ ریل ہمارے ذمہ ہوگا)

اس رعایت سے فوری فائدہ اٹھائیں

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔ پی)

مکتوبات مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے خطوط تمام اہلِ علم میں ایمان معرفت اور شریعت وطریقت کا گنجینہ سمجھے گئے ہیں۔ سلیس اُردو ترجمہ کی صورت میں انھیں پڑھیئے۔
قیمت مجلّد جلد اول۔ بارہ روپے ۷۵ پیسے ۱۲/۷۵
جلد دوم — پندرہ روپے ۷۵ پیسے ۱۵/۷۵

حیات عبدالحیؒ مولانا علی میاں کے خامۂ زرنگار سے ایک ممتاز عالم دین اور خادم ملّت کی ایک ایمان افروز سوانح۔ قیمت مجلّد — گیارہ روپے۔ ۱۱/-

مآثر و معارف علوم حدیث، علوم فقہ، فنونِ اسلامیہ اور دیگر اہم موضوعات پر مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کے ۲۵ عمدہ مقالات کا مجموعہ۔
قیمت — نو روپے ۹/-

وحدۃ الوجود اہل معرفت کے مشہور مسلک "وحدۃ الوجود" پر محققانہ گفتگو۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بیان اور اس کے اسرار مجلد — ڈھائی روپے۔ ۲/۵۰

مکتوبات امدادیہؒ حضرت حاجی امداد اللہؒ کے قیمتی خطوط مع فوائد (از حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ)۔ قیمت — سوا روپیہ ۱/۲۵

قرآن اور تعمیر سیرت تعلیمات قرآنی کا نچوڑ، تصوف اور ادب صالح کا دلکش مجموعہ۔ ڈاکٹر میر ولی الدین کے قلم سے۔ قیمت۔ چھ روپے۔ ۶/-

عورت کیا کچھ کر سکتی ہے تاریخی شہادتوں کے ساتھ صحابی عورتوں کے وہ شاندار کارنامے جو تاریخ کی پیشانی پر ثبت ہو گئے۔ انداز بیان اس قدر عمدہ کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ (پیش لفظ مولانا عامر عثمانی کا ہے) قیمت — دو روپے۔ ۲/-

غنیۃ الطالبین (اردو) مصنفہ۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
قیمت — بائیس روپے ۲۲/-

تجارتی سود — تاریخی اور فقہی نقطہ نظر سے جدید و قدیم دونوں علوم کی روشنی میں تجارتی سود پر گفتگو زبان سلیس، اسلوب شگفتہ۔ دلائل قوی، مواد محققانہ۔ قیمت — چھ روپے۔ ۶/-

احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت از۔ مولانا تقی امینی،
جیساکہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ شریعت کے احکام زمانے کے تقاضوں اور تغیر پذیر حالتوں کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ تمام مواد حوالوں سے آراستہ۔ قیمت مجلّد — آٹھ روپے۔ ۸/-

تحفۃ المتعلمین یہ کتاب مفید نوع کی ہدایات ونصائح کا مجموعہ ہے خاص طور پر طلباء اس کے مخاطب ہیں مگر تمام ہی مسلمان بھائیوں کے لئے بھی اسمیں رہنمائی اور استفادے کا سامان موجود ہے۔ دو روپے ۶۰ پیسے

تفسیر رشیدی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے قلم سے بیس آیات قرآنیہ کی قابل مطالعہ تفسیر، عارفانہ اور محققانہ۔ قیمت — ڈھائی روپے۔ ۲/۵۰

انفاس عیسیٰ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علیؒ کی تصنیفات سے تصوف وشریعت، اخلاق، اصلاح معاشرہ اور دیگر بے شمار موضوعات پر دین ودانش کی روشنی ہیں، دلچسپ اور روح پرور۔ اٹھارہ روپے۔ ۱۸/-

مدارج سلوک ڈاکٹر میر ولی الدین کی مفید کتاب۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس کا مطالعہ آپ کے لئے مفید ہوگا۔ ساڑھے پانچ روپے۔ ۵/۵۰

مسنون دعائیں پاکٹ سائز۔ ہر لحاظ سے عمدہ۔
قیمت — ۷۰ پیسے۔

حقوق العلم از۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ علم کے آداب وحقوق۔ زرّیں ہدایات اور نصیحتیں۔ قیمت — ڈھائی روپے۔ ۲/۵۰

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

(حبیب ریحان ندوی
لکچرار اسلامک انسٹیٹیوٹ، البیضا، لیبیا)

ایک جھوٹا مدعیِ نبوّت ← مُسیلمہ کذّاب

آج ایک ایسے بڑے دجّال کا قصہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو نطقِ نبوی سے کذّاب کا لقب پا چکا تھا۔ مسیلمہ ابن حبیب الکذاب نے ۱۰ھ میں حضور انورؐ کے پاس دو آدمیوں کے ہاتھ ایک خط ارسال کیا تھا جس کی نقل طبری سے پیش خدمت ہے:-

من مسیلمۃ رسول اللّٰہ الی محمد رسول اللّٰہ، سلام علیک، فانی قد اشرکت فی الامر معک، وان لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض، ولکن قریشا قوم یعتدون۔

رسول اللہؐ مسیلمہ کی طرف سے رسول اللہ محمدؐ کے پاس۔ سلام ہو بیشک میں تمھارے ساتھ معاملۂ (نبوت) میں شریک کرلیا گیا ہوں، اور ہمارے لئے نصف زمین ہے اور نصف قریش کے لئے، لیکن قریش زیادتی کرنے والی قوم (جماعت) ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

مسیلمہ کا خط سن کر حضورؐ نے دونوں سفیروں سے پوچھا کہ تمھارا کیا خیال ہے۔ انھوں نے جواب دیا وہی جو اس کا (مسیلمہ کا) خیال ہے۔ حضورؐ نے یہ سنکر ارشاد فرمایا:-

اما واللّٰہ لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما

اللہ کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

پھر مُسیلمہ کے خط کا جواب اس طرح لکھوایا:-

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الی مسیلمۃ الکذاب۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد فان الارض للّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین (تاریخ طبری، دار المعارف مصر-۳-۱۴۶-۱۴۷، ۱۹۶۰ء "سیرت ابن ہشام، مصطفی الحلبی، مصر، ۴: ۲۴۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، رسول اللہ محمدؐ کی طرف سے بہت بڑے جھوٹے مسیلمہ کے پاس، سلامتی اس پر ہو جو ہدایت کی اتباع کرے، اما بعد، پس بیشک زمین اللہ کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور عاقبت (آخرت یا دنیا میں انجام کے طور پر کامیابی) متقین کے لئے ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خط و کتابت میں جو چیزیں نمایاں ہیں ان پر مختصر تبصرہ کر دیا جائے۔

(۱) مسیلمہ نے رسولِ پاکؐ کی رسالت سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ صاف آپ کو رسول اللہؐ لکھا تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی رسالت کا دعویٰ بھی کیا تھا اور یہ دعویٰ خاتم النبیین والمرسلین کی موجودگی میں یا آپ کے بعد قیامِ قیامت تک ایک غیر شرعی دعویٰ ہے جو کفر کو مستلزم ہے۔ چاہے وہ رسول اسلامؐ کی رسالت و نبوت کے اقرار کے ساتھ کیا جائے یا انکار کے ساتھ۔

(۲) صرف یہ دعویٰ کرنے والا ہی کفر و ارتداد کا مجرم بن کر جہاد و قتل کا مستوجب نہیں ٹھیرتا بلکہ وہ اس کے دعوے پر یقین کرنے والے اور اس کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی اسی شمار میں آجاتے ہیں حضور پاکؐ نے صاف فرما دیا ہے کہ اگر سفراء قتل کئے جاتے تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ یہ واضح ہے کہ سفراء اور ڈلیگیٹ قدیم و

جدید عرف میں بھی مامون ہوتے ہیں اور شریعت نے بھی ان کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس لئے انکو قتل نہیں کیا گیا۔

(۳) حضور پاک ﷺ نے تفصیل و تحقیق طلب کئے بغیر اور بلا تاخیر یہ فیصلہ کیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کسی بھی رسالت نبوت کے دعوے دار کی تحقیق تو اس صورت میں کیجاتی جب یہ کام ممکن الوقوع ہوتا۔ لیکن جب یہ دروازہ بند ہو چکا اور اسلامی عقیدہ کی رو سے اب کوئی نیا رسول یا نبی پیدا ہی نہیں ہو سکتا تو پھر اس دعوے کی صحت کی تحقیق ایک لایعنی کام ہے جس کی ضرورت نہیں۔

(۴) مسیلمہ کو آپ نے اسی لئے بلا تاخیر و تحقیق کذاب "بہت بڑا جھوٹا" کے لقب سے پکارا۔ "کاذب" کا لفظ بھی کہا جا سکتا تھا جس کے معنی صرف جھوٹے کے ہوتے، لیکن مبالغہ کا صیغہ اس لئے استعمال کیا کہ کسی جھوٹے شخص کی بات میں ایک فیصد امکان سچ کا بھی ہوتا ہے لیکن اس دعوے میں تو صحت کا امکان لاکھوں اور کروڑوں میں ایک مرتبہ بھی محال اور غیر ممکن ہے اس لئے اس سے بڑھکر جھوٹ بات اور کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔

(۵) سلام علی من اتبع الھدیٰ کے جملے سے بھی یہ بات واضح ہے کہ یہ سلام آپ ان لوگوں کو لکھتے تھے جو کفر کی حالت میں ہوتے تھے اور مسلمان نہیں ہوتے تھے اس لئے مسیلمہ بھی اس خطاب کی رو سے اسلام کے دائرے سے خارج ہو گیا اور بہرحال اس کے خارج از اسلام ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

(۶) سلام کے الفاظ میں دوبارہ اسلام میں داخل ہونے اور توبہ قبول ہونے کے امکان کا اشارہ بھی پوشیدہ ہے اسلئے اگر وہ دعوائے نبوت سے دست بردار ہو جاتا اور توبہ و رجوع کی شرطوں کو قبول کر لیتا تو اسے قرآن کی ہدایت اور خاتم المرسلین والنبیین ﷺ کی اطاعت کے ذریعہ سلامتی دوبارہ حاصل ہو جاتی جیسے کہ مدعیہ نبوت سجاح اور دوسرے جھوٹے نبیوں کے ماننے والوں کو صدیق اکبرؓ کی طرف سے مل گئی تھی۔ فقہائے کرام نے مرتد کی توبہ کے متعلق نیز مہلت وغیرہ کے سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ صحیح ترین قول یہی ہے کہ اسکی توبہ قبول کی جائے گی اور سوچنے کی مہلت بھی دی جائے گی اور اسی کے پیش نظر قرآن و حدیث میں بھی توبہ اور معافی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے اور صدیق اکبرؓ نے بھی تمام مرتدین، مدعیانِ نبوت اور مانعین زکوٰۃ کو معافی کا کھلا ہوا خط لکھدیا تھا۔ جس میں معافی کی شرط دوبارہ مکمل اسلام میں داخل ہونا تھی۔

(۷) زمین اللہ کی ہے جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ اس عبارت میں دراصل ایک دعویٰ اور دوسری پیشین گوئی بھی ہے جو تاریخ اسلامی و انسانی کی زینت بنی ہوئی ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور اس نے مجھے نبوت اور حکومت کے دونوں منصبوں پر فائز کیا ہے اس لئے یہ اللہ کی دین ہے۔ تمھارا یہ دعویٰ کہ زمین قریش یا غیر قریش کی ہے سرے سے بے بنیاد دعویٰ ہے۔ زمین صرف اللہ کی ہے اور اس نے مجھے اس خطۂ زمین پر متمکن بنایا ہے۔ خدا کی اس دین پر حسد نہ کرو اور نہ خدا کی چیز کی نسبت دوسروں کی طرف کرو۔ پیشین گوئی اس عبارت میں یہ ہے کہ میرے خلفائے حق جو اسلام پر مضبوطی سے چلتے رہیں گے اور مکمل اسلام کے قائل ہوں گے اور حق و صداقت و تقویٰ کے امین ہوں گے وہ اس وراثتِ ارضی اور خلافتِ الٰہی کے پاسبان مقرر کئے جائیں گے۔ تاریخ نے اس پیشینگوئی کی حرف بحرف تصدیق کی اور صدیق اکبرؓ اور تمام صحابۂ کرامؓ کے برسرِ حق ہونے کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ مسیلمہ نے نبوت میں شرکت، نصف زمین اور حکومت کا دعویٰ کیا تھا۔ کامیابی اس کو ان دعووں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوئی اور یہ ناکامی بجائے خود اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے کیونکہ انبیاء کے اقوال، دعوے، پیشین گوئیاں رائی کے دانے کی برابر بھی غلط نہیں ہوتیں، وراثتِ ارضی اور خلافت اور کامیابی اور جنت صدیق اکبرؓ اور مومنین کے حصہ میں آئی اور تباہی، بربادی، قتل و ہزیمت اور جہنم مسیلمہ کے حصہ میں آئے۔ اور اسلام کی کامیابی اور مسلمانوں کی فتح اس آیت کے

بھی مصداق ہے جس میں مرتدین کے لئے مومن و محبوب گروہ کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے اور یقیناً صدیق اکبرؓ اور ان کے تمام ساتھی جنھوں نے مرتدین سے قتال کیا یا آپ کے ہاتھ پر بیعت کی سب کے سب اللہ کے محبوب تھے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ آیت ملاحظہ ہو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ (مائدہ ۔ ۵۴)

اے ایمان والو جو تم میں سے دین سے پھر جائے (مرتد ہو جائے) گا تو اللہ تعالیٰ عنقریب (اسکے لئے) ایسے لوگوں کو لائے گا جو اس سے محبت کرتے ہوں گے اور وہ ان سے محبت کرتا ہوگا، وہ مومنوں کیلئے نرم اور کافروں کیلئے سخت ہوں گے۔ راہ خدا میں جہاد کرینگے اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

(۸) آخری بات یہ ہے کہ کتنی بڑی سعادت مسیلمہ کے حصے میں آئی تھی کہ وہ ۱۰ھ میں بنو حنیفہ کے وفد کیساتھ مدینے آیا تھا، ابن اثیر نے (الکامل فی التاریخ' دار صادر' بیروت ۲-۲۹۸ پر) صرف ایک روایت لکھی ہے جس سے اس کی حضورؐ سے ملاقات کی تصریح ہے ابن ہشام (۲-۲۲۲) اور طبری (۳-۱۳۷، ۱۷۳۸) نے دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک جس سے ملاقات ثابت ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب وفد مسیلمہ کو ساتھ لایا تو حضورؐ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ کے دست مبارک میں کھجور کی چھال کی لکڑی تھی۔ اس نے حضورؐ سے بات کی حضورؐ نے اس سے فرمایا "اگر تم مجھ سے یہ لکڑی جو میرے ہاتھ میں ہے مانگو تو میں تمھیں یہ بھی نہیں دوں گا۔" دوسری روایت اس سے مختلف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "بنو حنیفہ حضورؐ کے پاس آئے اور مسیلمہ کو پڑاؤ کی جگہ ہی چھوڑ دیا پھر جب وہ اسلام لے آئے تو انھوں نے حضورؐ سے کہا ہم نے اپنے ایک ساتھی کو سواریوں اور سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ حضورؐ نے اس کے لئے بھی (وہی) (عطا) دیئے جانے کا حکم دیا جو دوسرے لوگوں کو دی گئی تھی اور آپ نے فرمایا وہ تم میں سب سے برا آدمی نہیں ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے سامان کی حفاظت کر رہا ہے۔ پھر جب مسیلمہ یمامہ پہنچا تو اللہ کا دشمن مرتد ہوگیا اور جھوٹ بولا اور پیشین گوئیاں کرنے لگا اور کہا کہ مجھے محمدؐ کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے کیا تمھیں یاد نہیں کہ انھوں نے کہا تھا کہ میں سب سے برا آدمی نہیں۔ یہ اسلئے کہ انھیں معلوم تھا کہ میں ان کے ساتھ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہوں اور وہ اس کی گواہی دیتا رہا کہ رسول اللہؐ اللہ کے نبی ہیں۔"

ابن ہشام اور طبری نے دونوں روایتیں بیان کر دی ہیں، لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے سے مختلف اور متعارض سمجھتے ہوئے ان کی کوئی توجیہ اور توفیق پیش نہیں کی ہے، بلکہ واضح طور پر دوسری روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "انّ حدیثہ کان علیٰ غیر ھذا" یعنی "دوسری بات پہلی سے بالکل مختلف ہے۔" دونوں کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی روایت اصح ہے۔ کیونکہ اس کی سند بہر حال اس طرح ہے کہ "حدثنی بعض علمائنا من اھل المدینہ"۔ دوسری بات یہ ہے کہ پہلے اسی روایت کو بیان کیا ہے اور کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کیا ہے۔ اس کے بالمقابل دوسری روایت بنی حنیفہ کے ایک مجہول شیخ (بوڑھے) سے بیان کی گئی ہے اور لفظ زعم کے ساتھ بیان ہوئی ہے جو شک اور ضعف کی علامت ہے۔

لیکن راقم کے خیال میں ان دونوں روایتوں میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے اور بہت آسانی سے ان میں توافق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں روایتیں دراصل ایک ہی قصہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اختصار کی غرض سے یا دونوں روایتوں کے راویوں کی اپنی معلومات کے مطابق اس قصہ کی بعض کڑیاں دونوں روایتوں میں

چھوٹ گئی ہیں اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اگر پہلی روایت کو تسلیم کیا جائے تو مسیلمہ کی حضورؐ سے ملاقات ثابت ہوتی ہے اور اگر دوسری پر اعتبار کیا جائے تو ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔ حالانکہ عقلی طور پر اس واقعہ کے اس طرح رونما ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ پہلی دفعہ جب یہ وفد حضورؐ کے پاس پہنچا ہو تو اس میں مسیلمہ نہ ہو اور وہ اپنے قافلے میں کسی خیمے کے اندر رک گیا ہو۔ جب بنی حنیفہ کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حضورؐ کی محبت، ہمدردی اور جود و سخا کا مظاہرہ دیکھا تو انھوں نے مسیلمہ کا تذکرہ کیا ہو۔ آپ نے اپنے کرم اور بخشش کے فطری تقاضہ اور تالیف قلب کی خاطر اس کو بھی وہی انعام و بخشش عطا کی ہو جو قبیلے کے موجود اشخاص کو عطا کی تھی اور قافلہ کی نگرانی کیونکہ ایک مستحسن اور پسندیدہ کام تھا اور اس سے ساتھیوں کے مال اور سامان کی حفاظت ہوتی تھی اس لئے آپ نے یہ تعریفی جملہ بھی ارشاد فرمایا ہو کہ "وہ تم میں کا سب سے برا آدمی نہیں ہے"۔ یعنی وہ اچھا آدمی ہے غلام یا نوکر ہونے کی وجہ سے قافلہ کی دیکھ بھال نہیں کر رہا بلکہ جذبہ خیر اور ہمدردی کے ماتحت یہ کام کر رہا ہے جب قبیلے کے افراد مجلس نبوی سے واپس ہوئے ہوں تو قافلے کی نگرانی کے لئے دوسرے آدمی وہاں رہ گئے ہوں اور مسیلمہ اس عطا و بخشش کا شکریہ ادا کرنے اور آپ سے ملنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہو، کیونکہ یہ بات عقلی طور پر سمجھ میں نہیں آسکتی کہ سفر کی مشقتیں جھیل کر مدینہ آئے اور حضورؐ سے ملاقات کے بغیر چلا جائے، بہرحال جب وہ ملاقات کو آیا ہو تو اس نے دوران گفتگو کسی ایسی چیز کی طلب کی ہو جو غیر معقول ہو اور آپ نے اس کو یہ جواب دیا ہو کہ اگر تم مجھ سے کھجور کی یہ چھال مانگو تو وہ بھی نہ دوں، بجائے خود یہ جملہ مکمل تفصیل کا محتاج ہے۔ راوی کا یا ابن ہشام و طبری کا ستم اسے نہ کہیئے تو اور کیا کہیئے کہ قصہ کی جان اور حقیقت حال تک پہنچنے کے لئے جو سب سے ضروری چیز تھی وہی روایت میں موجود نہیں ہے۔[1] یعنی یہ کہ اس نے حضورؐ سے کیا گفتگو کی؟ کیا چیز مانگی؟ جس کی وجہ سے آپ نے اسے معمولی سی چیز دینے سے بھی انکار کر دیا حالانکہ حضورؐ کی جود و سخا اور سیاسی مصلحت و تالیف قلب اور حلم کا تقاضہ ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ آپ مانگنے والے کو رد نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے پہلے ہی اس کو اس کے ساتھیوں کے برابر عطیہ دے چکے تھے، راقم تاریخی صحت کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا لیکن یہاں اس کی توجیہ کے لئے بھی عقلی ریاضت کے بعد دو ہی باتیں ممکن ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنے ساتھیوں پر ترفع کے لئے یا حرص و طمع کی وجہ سے ان سے زیادہ کسی چیز کا مطالبہ کیا ہو اور حضورؐ نے عام مصلحت کے خلاف اور برابری کے اصول کے پیش نظر اسے مزید کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا ہو۔ دوسری بات یہ ممکن ہے کہ اس میں سرداری، حکومت اور لیڈری کا جذبہ نہاں ہو (جس کا اظہار بعد میں ہوا) اور اس نے حضورؐ سے اس قسم کی کوئی چیز گورنری، ریاست یا سرداری وغیرہ جیسا کوئی منصب مانگا ہو اور آپ نے نور نبوت اور فراست مومن کے پیش نظر اسے اس سے محروم رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

الغرض ان دونوں روایتوں میں توافق کے بعد یہ بات بہرحال ثابت ہو جاتی ہے کہ مسیلمہ آپ سے ملا تھا اور آپ کی عطا و بخشش بھی اس نے حاصل کی تھی۔

یقیناً یہ بہت بڑی سعادت تھی جو اسے ملی تھی، لیکن اس سعادت کی ناقدری کی اور کبھی نہ ختم ہونے والی شقاوت اپنے نام کے ساتھ قیامت تک کیلئے حاصل کر لی اور نص قرآنی کی رو سے دنیا میں نامراد اور آخرت میں ناکام ہوا ارشاد باری ہے:-

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔	اور جو تم میں سے دین سے مرتد ہو گیا اور اسی حالت میں مرا کہ وہ کافر ہو، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں اور وہ آگ والے ہیں گے اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ (بقرہ — ۲۱۷)

[1] اس میں ان بیچاروں کا کیا قصور۔ راویوں سے جتنا خبر پہنچا بیان کر دیا۔ جو نہیں پہنچا اسے کیسے بیان کرتے۔ (تجلّی)

آخرت کے عذاب اور اذیت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا لیکن دنیا میں اعمال کے تباہ ہو جانے اور خسارہ کا مشاہدہ تو ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو تاریخ سے تھوڑا بہت بھی واقف ہے اور گوشِ شنوا اور دیدۂ عبرت رکھتا ہے۔

(۹) زندگی کا انجام بہرحال موت ہے۔ کامیاب ترین موت وہ ہے جو اسلام کی حالت میں ہو، کلمۂ شہادت کی تیسر بنی لبوں پر مسکرا رہی ہو اور لقائے الٰہی کی مسرت دل کو گدگدا رہی ہو۔ پھر سب سے بڑی قابلِ رشک موت وہ ہے جو اسلام کے مخالفوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت کی شکل میں آئے اور سب سے خسارے والی موت وہ ہے جو کفر و شرک یا ارتداد اور اسلام سے خروج کی صورت میں ہو اور اہلِ اسلام وایمان کے خلاف جنگ کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں قتل کی صورت میں دبوچے مسیلمہ ہزاروں ہزار کی فوج اور اسلحہ سے لیس جنگجو سپاہیوں کے نادر اور غیر معمولی جوہرِ شجاعت کے باوجود خلیفۂ رسول اللہ صلعم کی ارسال کردہ ایمان و یقین سے لبریز مجاہدین کی فوج ظفر موج کے مقابلے میں شکستِ فاش سے دوچار ہوا۔ بے یار و مددگار قتل ہوا۔ جبیر ابن مطعم کے مولیٰ، قاتل حضرت حمزہؓ وحشی کی توبہ کو خدا نے قبول کر لی تھی اور اسلام میں داخل ہونے کی سعادت بھی اسے مل گئی تھی اور رسول پاکؐ نے اسے دامنِ عفو میں جگہ بھی دے دی تھی۔ لیکن اس کے نیزہ نے مسیلمہ کے دل میں چھید کر کے ایک قدیم قلبی عدم طمانیت کے بدلے اپنے دل کے گوشوں کو اطمینان و سکون کی دولت سے معمور کر لیا۔ اور کفر کی حالت میں "اللہ کے شیر" کو شہید کرنے کا کفارہ اس نے اسلام کی حالت میں "مدعیِ نبوت، کذاب دجّال" کو قتل کر کے ادا کیا اور ساتھ ہی ساتھ ایک مومن انصاری کی تلوار نے مسیلمہ پر قاتلانہ وار کر کے دینِ الٰہی کے لئے انصار کی نصرت کی لاج ایک بار پھر رکھ لی۔ مسیلمہ نے نبوت میں شرکت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، تعجب نہیں کہ قسامِ ازل نے اسی لئے اس کے قتل میں بھی دو برابر کے شریک پیدا کر دیئے جو اس اہم کام پر اپنا سر فخر سے اونچا کئے ہوئے تھے۔

دنیا میں موت اور قتل کے علاوہ بھی اس سے بڑی ذلت اور رسوائی اور جگ ہنسائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسکی رسالت و نبوت کا نشان آناً فاناً سراب بلکہ حباب کی طرح مٹ گیا۔ اس کے ساتھیوں اور متبعین نے جو زندہ بچے اس کی نبوّت سے انکار کر دیا۔ جھوٹے نبیوں کی فہرست میں تاریخ کے صفحات پر عبرت کے لئے اور مومنین کے قلوب میں نفرت کے لئے وہ باقی رہ گیا۔ نطقِ نبویؐ سے وہ کذاب کے لقب سے قیامت تک کے لئے ملقب ہو گیا اور آیتِ قرآنی کی روشنی میں کافر اور مرتد بھی اس کے جلی اوصاف بن کر نمودار ہو گئے "خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھو الخسران المبین" کی جیتی جاگتی تصویر مسیلمہ سے زیادہ عبرت ناک اور کون سی ہو سکتی ہے؟

(۱۰) قصہ مختصر یہ کہ مسیلمہ یا کوئی شخص بھی اگر جھوٹا دعویٰ یہ کرے کہ وہ عالم، ولی، بزرگ، صوفی، مصلح، ریفارمر، امام، مجدد ہے یا کوئی ایسا دعویٰ جس کی ایک فیصد بھی تاویل ممکن ہے یا کسی ضعیف روایت سے بھی وہ ثابت ہو سکتا ہے تو اس دعوے میں جھوٹا ہونے کی صورت میں ہم اسے صرف جھوٹا ہی کہیں گے، کذاب یا مرتد اور کافر نہیں کہیں گے کیونکہ اس کا دعویٰ جھوٹا سہی لیکن ممکن الوقوع بہرحال ہے۔ لیکن اگر کوئی رسالت یا نبوت کا دعویٰ کرے تو ہم اسے کذاب، مرتد اور کافر کہنے سے نہ چوکیں گے۔ کیونکہ اس نے وہ سب سے بڑا جھوٹا دعویٰ کیا ہے جو خاتم النبیین والمرسلینؐ کے بعد کسی کے لئے ممکن الوقوع ہی نہیں، ممتنع الوقوع ہے بلکہ مستحیل الوقوع یا کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جس کی تاویل سائغ فی الشرع ممکن ہی نہیں اور وہ صریح اور واضح نصوص کے خلاف ہے تو اسے بھی توبہ کا مشورہ دیا جائے گا اور اس کو قبول کئے بغیر وہ اسلام میں داخل نہ ہو سکے گا۔ آئندہ مقالے میں ہم انشاء اللہ خدا پر جھوٹ باندھنے اور جھوٹے دعوے کرنے والوں کا حشر اس کا عبرتناک انجام آیاتِ قرآنی کی روشنی میں پیش کریں گے ＝

شعر و سخن

۱۹۷۰ء کی منتخب شاعری — کمار پاشی اور پریم گوپال متل کی مرتب کردہ۔ مجلد تین روپے۔

صنوبروں کا شہر — سہیل احمد زیدی کا مجموعۂ کلام۔ قیمت مجلد ___ سوا دو روپے۔

سیہ بر سفید — مخمور سعیدی کا مجموعۂ کلام قیمت ___ ساڑھے چار روپے۔

کلیات اختر شیرانی — شاعرِ رومان اختر شیرانی کا شاندار مجموعۂ کلام۔ قیمت مجلد چھ روپے

دامانِ باغبان — بعض منتخب شعراء کا کلام تنقید و تبصرہ کے ساتھ۔ قیمت ___ پانچ روپے۔

کلیاتِ اقبال — ڈاکٹر اقبال کے شعری لعل و جواہر کا گنجینہ۔ قیمت مجلد۔ سات روپے ۵ پیسے

کلیاتِ اکبر — اکبر الہ آبادی کے شاندار کلام کا ذخیرہ ___ دو جلدیں ہیں۔ ہر دو جلد گیارہ روپے۔

شعر و شعور — معروف اسلام پسند شاعر حفیظ میرٹھی کے نغمہ ہائے لطیف۔ مجلد ___ تین روپے۔

نیم باز — نوجوان لیکن پختہ گو شاعر عنوان چشتی کا مجموعۂ سخن۔ قیمت مجلد ___ چار روپے۔

آتشِ گل — جگر مراد آبادی کے گلہائے تغزل۔ قیمت مجلد ___ چھ روپے۔

چند درسی کتابیں

اُردو ہندی لغت — ہر اُردو لفظ کا ہندی مرادف آپ حروف تہجی کے اعتبار سے نکال سکتے ہیں۔ قیمت مجلد ___ ساڑھے چار روپے۔

پہلا سبق ۔ (اُردو قاعدہ) ...... پچاس پیسے

تاج محل .... ایک روپیہ

جانسن پرائمری (انگریزی کیلئے) ..... ۶۲ پیسے

جانسن ریڈر بک (حصّہ اول) .... ۶۲ پیسے

شاہنامۂ اسلام

آغازِ خلافتِ راشدہ

جنابِ حضرتِ صدیقؓ کی تقریر کیا کہیے
خلوص و حکمتِ ارشاد کی تاثیر کیا کہیے

تذبذب کے افق پر خاورِ شرح و یقیں آیا
سیاست کی انگوٹھی پر صداقت کا نگیں آیا

مخالف گرچہ کچھ انصار تھے اس رائے کے اب بھی
بنا تھی سر پھرے جذبات پر ان کے خیالوں کی

جھگڑنا چاہتے تھے وہ متاعِ شہریاری پر
بھروسہ تھا انھیں اپنی خرد کی پختہ کاری پر

مگر جو مقتدر تھے دیدہ ور تھے اہلِ دانش تھے
کلامِ پُر اثر نے کر دیئے تالیف دل اُن کے

بشیرِ ابنِ سعد اٹھے بصد اخلاص فرمایا
کہ بیشک جادۂ انصاف اب ہم کو نظر آیا

سنو! اے حاملانِ دین اے اخوانِ انصاری!
بہ توفیقِ خدا جو بھی ہوئی تم سے نکوکاری

نہیں تھا اس کا مقصد عزّت و توقیرِ دنیا کی
رضامندی فقط منظور تھی معبودِ اعلیٰ کی

کیا جو کچھ بھی تم نے صرف دینُ اللہ کی خاطر
نہ سیم و زر کے لالچ میں نہ حُبِّ جاہ کی خاطر

جسے بھولے سے بھی نازو غرورِ دین داری ہے
تخیّل اس کا بے حد مبتذل ہے، کاروباری ہے

متاعِ سروری حق ہے قریشی خانوادے کا
دہانہ بند کر دو فتنہ و شر کے ارادے کا

جنابِ حضرتِ صدیق پھر بولے کہ اے لوگو — عمرؓ اور بو عبیدہؓ میں کسی کو منتخب کر لو
یہ دونوں برگزیدہ ہیں عیاں ہے برتری انکی — فلاح و فوز کا باعث بنے گی سروری انکی
جواباً عرض کی حضرت عمرؓ اور بو عبیدہؓ نے — نہیں ہم لائقِ تاجِ خلافت آپکے آگے
نبیؐ کی جانشینی آپکے حق میں مقدم ہے — جنابِ مصطفےؐ سے آپ کی قربت مسلّم ہے
نہیں ہے کوئی ہمسر آپکا اربابِ ہجرت میں — فزوں ہے سب سے حصّہ آپکا یُمن و سعادت میں
بڑائی اور کیا ہو آپ کی ذاتِ معظّم کی — امامت آپکے کی ہے نمازِ مخبرِ آدمؑ کی
رہے ہیں آپ غارِ ثور میں دمسازِ پیغمبرؐ — کہاں ہے کوئی حقدارِ امامت آپسے بڑھکر

یہ فرماتے ہوئے آگے بڑھے بیعت کی نیّت سے
کیا تعمیلِ حکمِ فرض کا اقدام ہمت سے

اِدھر آگے بڑھے حضرت بشیرِ پاک طینت بھی — خلوص و شوق کے جذبے میں سبقت کر کے بیعت کی
یہ بیعت سنگِ بنیادی تھی ایوانِ خلافت کی — یہیں سے شمع روشن ہوگئی نورِ ہدایت کی
خیال و فکر کی تہہ سے دبے جذبے اُبھر آئے — لہو گرما گیا اُترے ہوئے چہرے نکھر آئے
بڑھے اربابِ اخلاص و وفا بیعت پہ بیعت کی — بہ اعلانِ جلی تسلیم صدّیقی امارت کی
خبر پھیلی تو ہر جانب سے دوڑے حق کے شیدائی — حقیقی، بے ریا جمہوریت کی شان دکھلائی
قبیلہ در قبیلہ سلسلہ در سلسلہ آیا — رضامندی کی مُہریں ثبت کرنے بر ملا آیا
ہوا ظاہر عوام الناس ہیں صدیقؓ کے حامی — نہیں باقی رہی جمہوریت کے باب میں خامی

وفورِ حزن سے فق ہو گیا شیطان کا چہرا
بڑے موذی بڑے غارتگرِ ایمان کا چہرا

مجھے میرا سفر مہلت اگر دیتا ٹھہرنے کی
تو یہ پُر پیچ منزل تھی بہت کچھ کہہ گذرنے کی

بیاں کرتا کہ جمہوری حکومت کس کو کہتے ہیں
خلافت کیا ہے اسلامی سیاست کسکو کہتے ہیں

بیاں کرتا کہ کیا ہے انتخابِ عام کا مطلب
ضروری مشورت فی الامر کے پیغام کا مطلب

سریر و تاج کیا ہیں دینِ قیّم کی عدالت میں
حقیقی فرق کیا ہے بادشاہت اور خلافت میں

یہ دنیا آج جو جمہوریت کے راگ گاتی ہے
مکمل انتخابِ عام کے نعرے لگاتی ہے

بیاں کرتا کہ کتنا مکر و فن ہے اسکے راگوں میں
بیاں کرتا کہ کتنی شیطنت ہے اس کے نعروں میں

حسیں الفاظ ہونٹوں پر خیالوں میں ریاکاری
مکلّف تربیت پائی ہوئی پُرکار عیاری

یہ زخمی نوعِ انسانی کی ہمدردی کے نقّارے
یہ فرعونوں کے شدّادوں کے ہامانوں کے ہرکارے

ہر اک خواجہ سرا الفاظ کے شیشہ گروں میں ہے
لہو جمہور کا جمہوریت کے ساغروں میں ہے

بیاں کرتا۔ مگر افسوس میں کیا کیا بیاں کرتا
کہاں تک گفتگو کو داستاں در داستاں کرتا

سفر دشوار منزل دور ہے رفتار مدّھم ہے
بہت ہیں زندگی کی الجھنیں اور زندگی کم ہے

ابھی کہنی ہیں مجھ کو داستانیں تیس[1] سالوں کی
کرونگا شرح کس کس موڑ پر اپنے خیالوں کی

---

[1] میرے پیشِ نظر صرف دورِ خلافتِ راشدہ ہے ۱۲

مناسب ہے کہ بحثِ این و آں کو مختصر کردوں
قلم کو صرف تاریخی بیاں میں منحصر کردوں

ایک تصوّر یا خواب[1]

مرے اشعار کا ہر پڑھنے والا منتظر ہوگا — کہ اب ہونے کو ہے ذکر و بیانِ فنِ پیمبرؐ کا
یہی میرا ارادہ تھا کہ اس منزل سے ہو گذروں — اگر ممکن نہ ہو ضبط و شکیبائی تو رو گذروں
ہر اک تفصیل تاریخوں سے لایا جستجو کر کے — حدیثوں پر نظر دوڑائی اشکوں سے وضو کر کے
اٹھایا بارہا انگشتِ لرزاں میں قلم میں نے — کیا محسوس تدریجِ روح میں صدیوں کا غم میں نے
تصوّر بن گیا آئینۂ ایامِ پارینہ — مجلّٰی ہو گئیں نظریں کشادہ ہو گیا سینہ
رُخِ ماضی سے پردہ اٹھ گیا صدیوں کی دوری کا — مزا لینے لگے کام و دہن کیفِ حضوری کا

نظر آیا کہ محوِ خواب ہے اِک جسمِ نورانی
چمکتی ہے مثالِ صبحِ صادق جسکی پیشانی

عجب اک حُسن لاہوتی عیاں ہے جسکے چہرے پر — عجب اک مسکراہٹ ضو فشاں ہے جسکے چہرے پر
ادائے خامشی گنجینۂ کیفِ تکلم ہے — رُخِ سنجیدگی آئینۂ حُسنِ تبسم ہے

تبسّم آہ وہ جاں بخش و دل افروز و بے پایاں
تبسّم آہ وہ روشن ستاروں کی طرح تاباں

[1] خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ محض حسین تصور تھا یا عالمِ رؤیا کا کوئی منظر۔ کاش حقیقت سے بھی اسے کوئی نسبت ہو۔ (ع)

تبسّم جیسے بادِ صبح سے ڈھلکی ہوئی شبنم — تبسّم جیسے گہرے پانیوں میں چاند کا عالم

تبسّم جیسے طاقِ تیرگی میں شمع جل جائے — تبسّم جیسے ہلکی آنچ میں چاندی پگھل جائے

تبسّم جیسے نورِ صبح کی معصوم رعنائی — تبسّم جیسے اٹھلاتے ہوئے دریا کی پہنائی

تبسّم! کیا کہوں شرح و بیاں سے نطق عاری ہے — تبسم! اب بھی جو احساس کی رگ رگ میں جاری ہے

اچانک اَوجِ گردوں سے ندا آئی کہ اے عامر

غلامِ این و آں! محکومِ دانش! بندۂ ظاہر!

خبر بھی ہے تجھے یہ کون محوِ استراحت ہے؟ — میسر آج تجھ بدبخت کو کس کی زیارت ہے؟

یہ دنیا جس میں تو لایا گیا ہے کیسی دنیا ہے — یہ گرد و پیش رنگ و نور کی جلوہ گری کیا ہے

سنبھل اے بے خبر! پہچان اس دنیائے نوری کو — غنیمت جان اس دو چار لمحوں کی حضوری کو

یہ دنیا جس میں تو اس وقت ہے "اقلیمِ ہستی" ہے — تخیل کی فسوں کاری نہیں آباد بستی ہے

یہاں جو کچھ نظر آتا ہے سرتاپا حقیقت ہے — کوئی پردہ نہیں حائل بصیرت ہی بصیرت ہے

یہاں جو کچھ بھی ہے انمٹ ہے لافانی ہے محکم ہے — یہ عالم تیرے عالم سے کہیں پائندہ عالم ہے

فسانہ لکھ رہا ہے بے ادب تو جن کے مرنے کا

وہ تیرے سامنے ہیں وقت ہے کچھ کر گذرنے کا

بڑھا آگے قدم پیروں پہ جھک جا تھام لے دامن — یہی ہیں رحمت و بخشش کا مرجع لطف کا مخزن

یہی ہیں ہاں یہی ہیں مرکزِ الطافِ ربانی — یہی ہیں فخرِ آدم پرتوِ انوارِ سبحانی

بیاں کر حالِ دل اپنا سراپا عرضِ غم ہو جا!　　جبیں تلووں سے مل، پابستۂ شاہِ امم ہو جا!

عجب کیا ہے نگاہِ مہر تیری سمت اُٹھ جائے

تری قسمت ہمیشہ کے لئے آسودگی پائے

یہ صوتِ آسمانی گوشِ حیرت سے سنی میں نے　　عجب سرمستی و رقصندگی محسوس کی میں نے

یقیں آتا نہ تھا گوش و نظر کی باریابی کا　　یقیں! اس درجہ اُونچی بیش قیمت کامیابی کا

الٰہی! کیا یہ سچ ہے؟ کیا یہ سرکارِ دو عالمؐ ہیں؟　　نہیں ہاں ہاں! مگر میرے حواس و ہوش برہم ہیں!!

کہاں میں فاسق و فاجر کہاں یہ پاک نظّارہ　　کہاں اک حسنِ لاہوتی کہاں اک چشمِ آوارہ

کہاں وہ مہبطِ حسنِ ازل یکتائے کُل عالم　　کہاں مجھ عاصی و بدکار کی بے نور چشمِ نم

اسی جزر و مد میں تھا میں یک بیک منظر نے رُخ بدلا

نزاکت سے ادائے خوابِ پیغمبرؐ نے رُخ بدلا

ہوئی پلکوں کو جنبش کھل گئیں آنکھیں نظر اٹھّی　　نظر اٹھی کہ رنگیں موجۂ دیوانہ گر اٹھی

نظر! اُف وہ نظر جیسے ثریّا سے کرن چھوٹے　　بساطِ کہکشاں سے ناوکِ نور و ضیا چھوٹے

خمار انگیز و لرزہ خیز و دل افروز و جاں افزا　　کشش آمیز، جذب و کیف میں ڈوبی جگر پیما

ہوئی ہونٹوں میں لرزش روئے خاموشی پہ بل آیا

بڑے شفقت بھرے انداز میں حضرتؐ نے فرمایا

کہ اے نامحرمِ حسن یقیں اے شاعرِ ناداں!　　نہ ہو اس درجہ بیخود بے خبر وارفتہ و حیراں

ترے اعمال ہیں بیشک بہت مذموم و ناگفتہ
ترا ایمان ہے ناقص ترا ادراک ہے خفتہ

تری روداد فسق و معصیت کو جانتے ہیں ہم
تری گمراہیوں کی ہر ادا پہچانتے ہیں ہم

مگر وہ اک تڑپ جو پرفشاں ہے تیرے سینے میں
وہ اک شعلہ جو ہر لحظہ تپاں ہے تیرے سینے میں

وہ بیتابی جو تیری روح میں جولان و رقصاں ہے
وہ پیہم بے قراری جس سے تیرا قلب لرزاں ہے

وہ کیفیت جو تجھ کو پارۂ سیماب رکھتی ہے
وہ کاہش جو تجھے دیوانہ وش بیتاب رکھتی ہے

وہ مبہم جستجو، الجھن، طلب، پروانہ وجولانی
وہ غم جو بیکراں ہے باوجود تنگ دامانی

وہی ہے جس کے صدقے سے نواز اجا رہا ہے تو
ہمارے سامنے شرف حضوری پا رہا ہے تو

یہ سب اللہ کی نکتہ نوازی کا کرشمہ ہے
خطا پوشی کا شان بے نیازی کا کرشمہ ہے

وہ جب چاہے جسے چاہے عطا سے بہرہ ور کر دے
گدائے بے سر و ساماں کو شاہ بحر و بر کر دے

نہ گھبرا! نامساعد وقت کی پیچیدہ حالت سے
کیئے جا کام اپنا تن دہی سے فکر و محنت سے

بقدر استطاعت کام کرنا فرض ہے تیرا
اثر ہو خوب یا ناخوب یہ ہے مرضی مولا

زبان شعر سے تاریخ کا نغمہ سنائے جا
خلوص قلب سے الفاظ کی محفل سجائے جا

ابھی تک سست ہے رفتار تیرے پائے ہمت کی
ضرورت ہے جفاکشی کی سرگرمی کی عجلت کی

ذرا سی دور چل کر ڈگمگاتا ہے قدم تیرا
ٹھٹکتی ہیں نگاہیں تھرتھراتا ہے قلم تیرا

بھٹکتا پھر رہا ہے راستے کے پیچ و خم میں تو — اُلجھ کر رہ گیا ہے عقل کے دامِ ستم میں تو

ترا منصب نہیں بحث و نظر، نغمہ سرا ہے تو — دلوں کی چارہ سازی کیلئے گرمِ نوا ہے تو

نہ جا اس درجہ شرح و بسط کی جولانگاہوں میں

سفر دشوار ہے منزل کو رکھ اپنی نگاہوں میں (جاری)

قرآن مع تفسیر و ترجمہ

ترجمہ :- حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ
تفسیر :- علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہی جلد میں مکمل ہونے والے جتنے بھی تفسیر والے قرآن آج تک چھپے ہیں ان میں اس قرآن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے تاروں میں چاند۔

علامہ عثمانیؒ نے بڑی بڑی تفسیروں کا ضروری خلاصہ اور عطر اس تفسیر میں اس طرح سمویا ہے کہ آیات کا مطلب بہ آسانی ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ عالمانہ ہونے کے باوجود عام فہم زبان دلکش اور انداز سلیس و شگفتہ۔

ہدیہ مجلد رنگین خوشنما — چوبیس ۲۴ روپے۔ (ایک پر محصول ڈاک تقریباً چار روپے آئے گا)۔

اشرفیہ بہشتی زیور مکمل و مدلّل

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ کی یہ مقبول ترین کتاب اب تک مختلف اداروں سے چھپتی رہی ہے لیکن اب جس شان کے ساتھ چھاپی گئی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے خصوصاً حضرت مصنفؒ کی سوانح حیات کا اضافہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے ایک منفرد اضافہ ہے جس سے دوسرے ایڈیشن خالی ہیں۔

یہ کتاب ہر مسلمان گھرانے میں رہنے کی ہے کیونکہ اس میں روز مرہ کی ضرورتوں کے مسائل موجود ہیں۔ کیا عبادت، کیا گھریلو معاملات، کیا شادی بیاہ، پیدائش، موت وغیرہ کے مسائل، کیا صالح مردوں اور عورتوں کے حالات، کیا انبیاء کے قصے، کیا اعلیٰ درجے کی نصیحتیں، بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ہماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں ازراہ شرم و حیا جن مسائل کو مردوں سے دریافت نہیں کرسکتیں، وہ سب آسان اردو میں اس کتاب کے اندر موجود ہیں اور فہرست مضامین کے ذریعہ وہ بہ آسانی انھیں نکال سکتی ہیں۔

دو ۲ جلدوں میں مکمل۔ قیمت غیر مجلد — بیس ۲۰ روپے۔ اگر وہ دونوں جلدیں ایک ساتھ مجلد طلب کریں تو بائیس ۲۲ روپے۔ دو جگہ مجلد چاہیں تو چوبیس ۲۴ روپے۔ تاجرانہ مناسب کمیشن کیلئے خط و کتابت سے معاملہ طے کریں۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

کل زوجہ نے دس کا ایک خراب وخستہ سا نوٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

"آٹا، گھی، شکر، چائے، ایندھن کچھ بھی نہیں ہے۔ جائیے لے آئیے۔"

میں نے پہلے اس نوٹ کی طرف پھر کہنے والی کے چہرے کی طرف تحیّر سے دیکھا تھا پھر خود بخود میرے منھ سے نکلا تھا۔

"پوری منڈی ہی کیوں نہ اُٹھا لاؤں۔ باقی جو کچھ بچے گا اس سے ایک بنگلہ بنوائیں گے اور پھر ہم تم بانہوں میں بانہیں ڈال کر گایا کریں گے —— اک بنگلہ بنا ہے نیارا۔ اس میں رہے گا کنبہ سارا۔"

وہ مسکرائی نہیں تھی بلکہ برا سا منھ بنایا تھا —— "صوفیوں کوفیوں نے آپ کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ مذاق کا بھی کوئی وقت ہونا چاہئیے۔"

"تو مجھے پٹواؤ گی کیا —— لکڑی پانچ روپے من ہے۔ گھی سات روپے کلو۔ شکر ڈھائی روپے......"

"پرانی بات ہوئی۔ آپ کئی مہینوں سے سودا لائے ہی نہیں ہیں جو تازہ نرخوں سے باخبر ہوتے۔ لکڑی اب سات روپے من ہے۔ نقلی گھی دس روپے کلو۔ شکر چار روپے کلو۔"

"پھر تو اس متبرک نوٹ سے کفن ہی خریدا جا سکتا ہے"

"کفن بھی اتنے میں نہیں آئے گا —— میرے کیش بکس میں مزید ایک کوڑی بھی نہیں۔"

"آئی سی —— تنخواہ میں تو ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔ تو کیا ہم پتھر چبائیں گے!؟ ——"

"میں تو بغیر پتھر چبائے بھی دس پانچ دن جی سکتی ہوں مگر آپ سوچئیے اُن جھاڑو ماروں کا کیا ہوگا جنھیں چائے کے ساتھ انڈے بھی چاہئیں۔ پراٹھے بھی چاہئیں۔"

"جھاڑو ماروں...... ! یہ بھلا کیا چیز ہوتی ہے؟"

"ماشاء اللہ آپ کے صوفی زعفران۔ خواجہ مسکین۔ حافظ للکار۔ قاری گلفام۔ کونسا منحوس دن ہے جو ان میں سے ہی نہ کسی کی تشریف دھری نہ رہتی ہو۔ آپ کی بلا سے باورچی خانے کا جو بھی حال ہو آپ کو حکم چلانے سے مطلب۔

ذرا دو پیالی چائے بنا دینا۔ ذرا انڈے بھی اُبال دینا۔ ذرا۔۔"

"بس بس نیک بخت۔ تم سے میں نے پیغام نکاح ہی اُس وقت بھجوایا تھا جب ایک بزرگ نے تمھارے بارے میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ بشارت دی تھی کہ بڑی ہی خوش نصیب لڑکی ہے رزق تو اس کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔"

"وہ بزرگ بھی تلوار حسین قسم کے کوئی بزرگ ہونگے۔ بہرحال آپ نوٹ لیجئے اور جو کچھ لا سکتے ہوں لے آئیے۔"

"خدا لگی بندی ـــ یہ غدر سن ستاون سے قبل کا نوٹ تو بھلا دارشا یاسے گا بھی نہیں۔ اب اکثر تم ایسے ہی نوٹ دینے لگی ہو۔ کیا معاملہ ہے ؟"

"میں اب کم سے کم پہننے بھر کے لئے بھیّا کے گھر جا رہی ہوں۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔"

"اور میں ہجر کی راتیں کیسے گزاروں گا۔ آجکل تو تارے بھی نہیں۔ بادل ہی بادل منڈلاتے پھرتے ہیں۔"

"راتوں کو قوالیاں سنئے گا۔ دن بھر پیر پھیلا کر سوئیے گا۔"

قصہ مختصر نوٹ لے کر میں گھر سے نکلا تھا۔ راستے میں ایک شریف النفس قسم کا آدمی پودے فروخت کرتا نظر آیا۔ پھلواری میری کمزوری ہے۔ پھولوں کے پودے لگانا اور روزانہ کچھ نہ کچھ وقت ان کی نگہداشت کے لئے نکالنا۔ اگر ناغہ ہو جائے تو میرا معدہ چیز ہٹ ہو جاتا ہے۔ گلاب کا ایک بہت ہی خوبصورت پودا اس کے ٹھیلے پر نظر آیا تو قیمت پوچھی۔ کہنے لگا۔

"صاحب۔ شوقینوں کے سودے ہیں۔ قیمت بھلا اس کی کیا لگے گی۔ شاہجہاں نے جب شاہی باغ لگوایا تھا تو گلاب کی ایک نایاب قسم آئر لینڈ سے منگائی تھی۔ یہ اسی کی نسل ہے۔"

میں نے عش عش کرتے ہوئے اسے گھورا ـــ "یار بڑے پہنچے ہوئے ہو۔ تمھیں تو مؤرخ ہونا چاہیئے تھا۔"

"مقدر ہے صاحب۔ گدھوں کو تاج مل رہے ہیں اور گھوڑوں کو بستر بھی نصیب نہیں۔"

"نقاد بھی ہو۔ اور دو چار جملے ذرا ایسے ہی۔"

"کل سے روٹی نہیں کھائی ہے جناب۔ کچھ پکا ہی نہیں۔ زیادہ بولنے کی سکت کہاں۔"

"سوری ـــ تو یہ گلاب کتنے کا ہے؟"

"ہے تو صاحب گملے سمیت پندرہ روپے کا مگر آپ جو دیں گے لے لوں گا ـــ"

"میں بھی تمھارے ہی طبقے سے تعلق رکھتا ہوں۔ محنت کش یعنی پرولتاری ـــ سمجھتے ہو نا ؟"

"پہلے سب کچھ سمجھتا تھا ـــ لینن، مارکس، انجلز سب کو پڑھ رکھا ہے مگر اب تو ساری سمجھ بوجھ معدے میں اتر گئی۔ دل کا مریض ہوں اس لئے محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتا ـــ"

"سچ ؟" میں چونکا ـــ "کیا کسی غیر خاندان کی ہے ؟"

"کون ؟ کیا مطلب"

"اب شرماؤ گے بھی ـــ یار وہی جس نے دل کا مرض دیا ہے ـــ"

"چار بچے ہیں میاں صاحب۔ دو چھوٹے بھائی۔ ایک بہن۔ ایک بیوہ خالہ ـــ"

"تو یوں کہو کسی بیوہ کے چکر میں پھنس گئے ہو ـــ"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں اپنی حالت بیان کر رہا ہوں۔ بیوی مر گئی۔ زمین کسٹوڈین میں چلی گئی۔ یہ زمانہ۔ اتنا خرچ ـــ"

"معاف کرنا۔ مجھے لفظِ دل سے غلط فہمی ہوئی تھی چلو یہ دس رکھو۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے میرے پاس۔" وہ نوٹ میں نے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

دراصل میرے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ مطلوبہ اشیاء کی جو میزان زوجہ نے بتائی ہے وہ تو دس روپلی میں مہیا ہونے سے رہی کیوں نہ یہ شاندار گلاب ہی ڈالوں۔ شاہجہاں سے نسبت رکھتا ہے ـــ ہزار جانِ گرامی فدا بہ ایں نسبت۔

گھر پہنچا تو زوجہ نے بڑی قہرمانی نظروں سے استقبال کیا

میں نے جھٹ سے کہا۔

"دیکھو نیک بخت۔ پودوں کے معاملے میں میرے احساسات بہت نازک ہیں۔ کوئی ایسا ویسا لفظ نہ کہہ بیٹھنا۔"

وہ چند ثانیے خاموش رہی پھر تیزی سے میری طرف بڑھ کر پودے کو دیکھنے لگی۔

"ہے تو اعلیٰ قسم کا۔" وہ دفعتاً خوش ہو کر بولی۔ "بھیا کے یہاں بھی ایسے ہی دو تین ہیں ــــ دس روپے میں مہنگا تو نہیں۔"

پھر گملا میرے ہاتھ سے لے کر اس نے خود ہی پودے کو کیاری میں منتقل کیا اور اس دوران میں اسے بالکل یاد نہیں آیا کہ ہم لوگ پھر کس رفتار سے چبا سکیں گے۔ میں نے موقعہ غنیمت جانا۔

"ڈارلنگ ــــ صبح مولوی فردوس الحق اور حافظ خنجر ناشتے پر آرہے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا آخر شب خودکشی کر لوں گا۔ صبح کو وہ آئیں گے تو کفن دفن کا خرچ ان سے وصول کر ہی لو گی۔"

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا ــــ "بھیا کے دو سو روپے میرے پاس امانت رکھے ہیں۔ آپ کے دوست احباب مجھے جہنم میں پہنچا کر رہیں گے۔"

"استغفار پڑھو مائی سوئٹ ڈارلنگ۔ بھائی بہن کا کس نے بانٹا ــــ امانت تو غیروں کی ہوتی ہے ــــ کل اسی گلاب کا جوڑا اور خرید لیں گے۔ دونوں کیاریوں میں ایک ایک ہو تو کیا کہنے۔"

"آپ کو خدا جانے کس مٹی سے بنایا گیا ہے ــــ فکر تو کسی بات کی ہوتی ہی نہیں۔ آخر کب تک ایسے گاڑی چلے گی۔"

"کیا خدا کی رزاقی سے ایمان اُٹھ گیا ــــ مائی بیوٹی فل بانو توکل اور قناعت تو تصوف کی جان ہوتی ہے۔"

"مگر آپ کے صوفی احباب تو ان الفاظ کے معنی بھی شاید نہیں جانتے۔"

زیادتی کر رہی ہو۔ صوفی زعفران ہی کو دیکھ لو۔ چار سال سے مشتری بیلم پر قناعت کیے ہوئے رہیں حالانکہ عرسوں میں کسی بھی سال ایک سے ایک زنان عاشقان اولیاء کی کمی نہیں ہوتی۔ کوئی قتالۂ عالم ہے۔ کوئی دنبالۂ عالم ہے۔"

"آپ کو شرم آنی چاہیئے میرے آگے اس طرح کی باتیں کرتے۔"

"آ گئی ــــ اسی بات پر صبح ناشتہ ذرا اچھا ہو جائے۔ حافظ خنجر مجھے ایک بڑی شاندار دعوت کھلا چکے ہیں۔"

"یہ سمندر علی صاحب کے لڑکے ہیں کیا؟"

"سمندر علی تو ان کے چچا ہیں۔ والد صاحب کا نام تھا معطر علی۔ بڑا اونچا خاندان ہے۔ ابدال اور قطب وغیرہ تو اس میں دھڑا دھڑ پیدا ہی ہوتے چلے آئے ہیں۔"

"حافظ خنجر بھی قطب سے کم کیا ہوں گے؟"

"نہ خیر۔ وہ ذرا ابھی تربیت کے مراحل میں ہیں۔ پک جائیں گے کھیلتے کھاتے۔"

تو یہ تھا کل کا ماجرا۔ آج صبح پروگرام کے مطابق دونوں بزرگ تشریف لائے۔ [illegible] ہی تھا۔ رات ایک بار اور میں نے [illegible] کہ دیکھو اے جانِ حیات وغیرہ وغیرہ [illegible] نہیں ہوا کرتے۔ بھائی [illegible] ہے۔ وہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا [illegible] یاد رکھو۔ وغیرہ ذلک۔ شاید بات [illegible] تھی اسی لئے ناشتہ خاصا پُر تکلف تھا۔

"بھئی خوب پکاتی ہیں تمہاری بیگم ــــ" مولوی فردوس صاحب نے کچھ کھا کر داد دی تھی۔

"ماشاء اللہ۔ واقعی ہر آئٹم نفیس ہے۔" حافظ خنجر نے تائید فرمائی تھی۔

پھر کئی پیالیاں چڑھانے کے بعد مولوی صاحب نے ایک نیا موضوع چھیڑا تھا۔

"تمہارے پیر پگاڑو وڈیرا نل چلاتے ہیں جماعتِ اسلامی کی قصیدہ خوانی میں ۔ کچھ بھی اعتراض کرو جھٹ سے علم کلام کا دروازہ چوپٹ ۔ اب دیکھیں گے کیا جواب دیں گے" یہ کہتے ہوئے انھوں نے تھیلے سے کاغذ کا پلندہ سا نکالا اور میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

یہ اخبار دعوت کا ۱۵ر اگست ۱۹۷۶ء والا آزادی نمبر تھا۔

"یہ میری نظر سے گذر چکا ہے ۔۔۔ فرمائیے آپ کیا دکھانا چاہتے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"تم نے اس کا مطالعہ کیا ؟"

"بڑی دلچسپی سے ۔ میں اشتہارات بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور اس میں خدا کے فضل سے ان کا اوسط ۶۰ فی صد ہے۔"

"مسخرہ پن نہیں ۔۔۔ بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اشتہارات کا اوسط اتنا ہی ہوگا مگر اس میں کیا اعتراض کا پہلو نظر نہیں آیا۔"

"اعتراض وغیرہ تو آپ جیسے اہلِ علم کا منصب ہے قبلہ ۔۔۔ میں جاہل کس شمار قطار میں ہوں ۔ ویسے یہ آپ بھی مانیں گے کہ اخبارات کا بڑا مقصد اشتہارات ہوتے ہیں۔ کم سے کم دعوت کے خاص نمبروں سے تو ثابت ہے پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ بڑے مقصد کو چھوڑ کر مضامین وغیرہ کے چکر میں پڑوں ۔ سبحان اللہ کسی بھی پوشیدہ اور پیچیدہ بیماری کا علاج گھر بیٹھے ۔ خط راز میں رہیں گے کھل کر سارا حال لکھیے ۔ اور ایک بار پھر سبحان اللہ زنانہ و مردانہ مخصوص امراض کا لٹریچر مفت منگائیے ۔ بنڈل مارکہ بیڑی ۔ آخری کش تک بکیساں ۔۔۔ نزع کی آخری ہچکی تک اسے برابر پیے جائیے ۔ قبر میں بھی ایک بنڈل رکھنا نہ بھولئے ۔۔۔"

"تم دوست بکواس اچھی کرلیتے ہو مگر بعض دفعہ لمبی ہو جاتی ہے۔" حافظ خنجر نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"لمبی کی بات بھی سنو" مولوی صاحب جلدی سے بولے ۔۔۔ "میں نے دعوت کے اس آزادی نمبر کے مضامین اور اشتہارات کی لمبائی انچوں میں ناپی ہے ۔ ایک انچ مضمون کے مقابلے میں سوا گیارہ انچ اشتہار کا تناسب ہے۔"

"آپ سے حساب میں کون جیتے گا جناب ۔ ایک حساب مدت سے میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے ۔ اسے بھی حل کیجئے ۔ گرانی چھ اعشاریہ نو ماہانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے اور ہر تیسرے مہینے میں یہ رفتار پچھلی رفتار سے بقدر تین اعشاریہ دس بڑھ جاتی ہے تو بتائیے خودکشی کی خاطر ایک ماشہ زہر خریدنے کے لئے ۱۹۸۶ء میں ایک آدمی کو کیا قیمت ادا کرنی ہوگی ۔"

"جب بھی تمہارے پیر پگاڑو پر کوئی زد آنے لگتی ہے تم اسی طرح فضول بکواس اگا کر بات کوٹلاتے ہو ۔ چلو ہمیں ان سے ملواؤ ۔ دیکھنا ہے کونسا افلاطونی علم کلام کھود کر لاتے ہیں ۔"

"بھلا ان کا دعوت سے کیا تعلق ؟"

"بھولے مت بنو ۔ کون ہے جو بیس سالوں سے جماعتِ اسلامی کی طرف داری میں کتے کی طرح بھونکے جارہا ہے ۔ ہم پوچھیں گے کہ حکومتِ الٰہیہ اور اقامتِ دین اور تطہیر معاشرہ جیسے الفاظ کی جگالی کرنے والی جماعت کا آرگن کیا ایسا ہی ہونا چاہئیے ۔"

"فضول ہے ۔ مودودی صاحب تو لاہور میں بیٹھے ہیں۔"

"اس پر لعنت بھیجو ۔۔۔ مگر نہیں وہ کافر ضرور ہے مگر اپنے کفر میں پکا ۔ ہم نے اس کا رسالہ دیکھا ہے ۔ کتابیں بھی دیکھی ہیں ۔ مجال ہے ایک انچ بھی کہیں سرکا ہو ۔ ایمان نہیں نگلیں گے ۔ بڑے دل گردے کا آدمی ہے ۔"

"تو پھر آپ یہاں کی جماعت پر معترض کیوں ۔۔۔ وہ بے چاری تو حکومتِ الٰہیہ کی عروسِ غزل کو مدت ہوئی طلاقِ مغلظہ دے چکی ہے ۔ اقامتِ دین اور تطہیرِ معاشرہ جیسے الفاظ بھی اب کے اپنے نہیں ۔ مودودی کا ٹیپ ریکارڈ ہیں ۔"

"تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے ۔ تمہارے مست قلندر

صاحب تو ان حقائق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اٹھو اسی وقت ملتے ہیں۔ ایک ناشتہ وہاں بھی سہی۔"

یہ دونوں مدیرِ تجلّی کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ علیک سلیک کے بعد انھوں نے پوچھا:-

"چائے شوق فرمائیں گے؟"

"آپ کی مرضی" مولوی فردوس الحق بولے۔

چائے کے ساتھ سوجی کا حلوہ، اُبلے ہوئے انڈے اور بالائی کی پلیٹ بھی آئی۔ پھر میں تو بمشکل آدھی پیالی چائے پی سکا لیکن دونوں نے دبادب دو دو پیالیاں بھی پیں اور ماکولات بھی صاف کر گئے۔

آخر کار آمدم برسرِ مطلب کا پھاٹک بھی کھُل ہی گیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا آپ مجھ سے اس سلسلے میں کیوں آمادۂ بحث ہیں۔" مدیرِ تجلّی نے ان کے جارحانہ اشارے پر جزبز ہو کر کہا۔

"آپ جس جماعت کے گن گاتے ہیں کیا اس کا سرکاری آرگن ایسا ہی ہونا چاہئیے؟"

"جواب آپ کے علم میں ہے پھر میں کیا عرض کروں۔"

"یعنی؟" مولوی صاحب نے انھیں گھورا۔

"پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودنے والے زیادہ نہیں ہوا کرتے۔ اشتہارات پیسہ دیتے ہیں اور پیسہ جس کے پاس ہو وہ پتھر کیوں باندھے۔"

"آپ کنایات استعمال نہ فرمائیں۔ بات صاف لفظوں میں ہونی چاہئیے۔"

"اشتہارات مواد پر غالب نہ آنے پائیں یہ ایک سنجیدہ اصول ہے۔ اقامتِ دین کی علمبردار جماعت کا سرکاری آرگن تو بڑی چیز ہے۔ ایک خالص دنیادار پرچہ بھی اگر اشتہارات کا پلندہ بن جائے تو اسے بازار کی جنس قرار دیا جائے گا۔"

"اوہ — تو جناب آپ کی وکالت کیا ہوئی۔ — ہم نے تو آج تک آپ کو جماعتِ اسلامی ہی کی وکالت کا جھنڈا اٹھائے دیکھا ہے۔"

"وہ اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ جماعتِ اسلامی کے کسی اصول اور نظرئیے پر اعتراض فرمائیے میں جواب عرض کروں گا۔"

"یہ جماعت ہی کا تو نقص ہے۔"

"افرادِ جماعت کا کہئیے — افرادِ امت اگر امراض میں گرفتار ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ وہ دین بھی مریض ہو گیا جس سے اس امت کا تعلق ہے۔"

مولوی صاحب نے قدرے تحیر سے حافظ خنجر کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھیں پھیلائے مدیرِ تجلّی کے روئے نازیبا کو برابر دیکھے جا رہے تھے۔ میں بور ہو رہا تھا کیونکہ ایک تو موضوع ایسا خشک اور واہیات دوسرے یہ بات ابھی ابھی یاد آئی تھی کہ آج تو خواجہ تلقین کے یہاں بڑی دلچسپ میٹنگ ہے جس میں میں بھی مدعو ہوں۔ وقت ناشتے کے فوراً بعد ہی کا متعین ہوا ہے۔ شہر کے ممتاز اربابِ طریقت اس میں جلوہ افروز ہوں گے۔ حاجی منقار، مرزا تفسیر، صوفی بہرام، خواجہ ارمان اور قاری گلبدن جیسے اساطین کا اجتماع تو بجائے خود نوادرات میں سے ہے پھر موضوع اتنا پرکشش کہ خدا کی پناہ۔ دراصل غور اس مسئلہ پر کرنا تھا کہ امریکہ نے چاند پر پہنچ کر جو مرعوبیت عامۃ الناس میں پیدا کر دی ہے اس کا ازالہ کیونکر کیا جائے۔ حافظ فرہاد کا خیال تھا کہ پچھلے اولیاء اللہ نے ہوا میں اُڑنے کی جو کرامت بارہا خلقِ خدا کو دکھلائی ہے اسی کی تجدید ہم صوفیائے کرام بھی کریں اور بندگانِ خدا کو دکھلا دیں کہ امریکہ تو اُڑنے میں مشینوں کا محتاج ہے مگر ہم اہل اللہ بغیر کسی توسط کے بنفسِ نفیس اُڑ سکتے ہیں — طے یہ کرنا تھا کہ کونسے چار بزرگ اس کرامت کے عالمی مظاہرے کی زحمت گوارا فرما سکتے ہیں۔ چار

لئے کہ مغرب مشرق جنوب شمال سب طرف ایک ایک
فی لمبی اُڑان بھرے تاکہ سارا عالم عش عش کرکے اس نظارۂ
شال کو دیکھے اور امریکہ مارے شرم کے کسی کو منہ دکھانے
ابل نہ رہے۔ مجھے مدعو اس لئے کیا گیا تھا کہ خود میں نے
اُڑنے کی صلاحیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ کر اس بل بوتے
یا تھا کہ عملی ثبوت کی شاید نوبت ہی نہ آئے۔ اتنے بڑے
ے جبالِ طریقت جہاں مجتمع ہوں گے وہاں یہی طے ہونا
ممکن ہوگا کہ اس اُڑن دستے کی کمان کس کے ہاتھ میں
—— ہر بزرگ اپنی دانست میں سیادت و قیادت کا
سے بڑھ کر مستحق تھا اور ہونا بھی چاہئیے۔ کم سے کم تین اکابر
یالات تو پوری طرح میرے علم میں تھے۔ وہ سلاسلِ تصوف
ساری ہی نسبتوں کے جامع تھے۔ نقشبندی، چشتی، سہروردی
ہ وغیرہ —— بلکہ دس بار وغیرہ وغیرہ۔ کیسے وہ کسی اور کو
سے برتر مان لیتے۔ ان کی دلیل تھی کہ امانات کو ان کے
کے سپرد کرنا قرآن کا حکم ہے اور قرآن کی نافرمانی ہم
شت نہ کر سکیں گے اگر کسی اور کو ہم پر فوقیت دی گئی۔
ممکن تھا جملہ شرکاءِ مجلس ان تینوں کی برتری پر متفق ہو جاتے
ان میں سے پھر ایک کا انتخاب کس طرح ہوتا۔ ان میں سے
کے لئے بھی یہ بات قابلِ برداشت نہ ہوتی کہ خود اس کے
کسی کو بھی امتیازی درجہ دیا جائے۔

بہر حال میں بور ہو رہا تھا اور مولوی فردوس الحق ایڈیٹر
کی کھال کھینچنے کی فکر میں تھے۔

"آپ افراد کی حمایت نہیں کرتے تو مودودی مودودی
ٹ آپ کے رسالے میں اس قدر کیوں پائی جاتی ہے؟"

"رٹ کی جگہ آپ بکواس کا لفظ بھی استعمال فرمالیں
برا نہیں مانوں گا۔ رٹ میں نہیں لگاتا معترضین لگاتے
اور جواباً مجھے نام دہرانا پڑتا ہے۔"

"پھر تو یہ سوال بھی آپ سے بیکار ہی ہوگا کہ اخبار دعوت
وہ کونسی خاص بات ہے جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر
ہوا ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اقامتِ دین کا داعی
قیب۔"

"میں خود ہی کافی دنوں سے اس سوال کی بھول بھلیاں
میں بھٹک رہا ہوں۔ میرا بس چلتا تو کبھی کا اس فقرے کو اخبار
کی پیشانی سے کھرچ چکا ہوتا۔"

"عجیب بات ہے۔ آپ برابر ایسی جماعت کی حمایت کئے
چلے جاتے ہیں جو خود آپ کے اعتراف کے مطابق قول و عمل کی
دورنگی میں گرفتار ہے۔"

"پھر آپ نے خلطِ مبحث کیا —— بندہ پرور۔ اصول و
نظریات کی بات کیجئے۔ کون کیا کرتا ہے اس کا میں ٹھیکہ دار
نہیں۔ آخر مسلمان بھی تو بالعموم اسلام کا دامن چھوڑے بیٹھے
ہیں۔ شراب۔ جوا۔ سود۔ چوری۔ بدعت۔ غفلت۔ کونسا
عیب ہے جو ان میں سرایت نہیں کر گیا۔ پھر کیا آپ اس شخص
کو اعتراض کا نشانہ بنائیں گے جو اسلامی اصول و اقدار کی
وکالت کرے۔"

"آپ کم سے کم دعوت کے خلاف تو آواز اٹھائیں۔
بنیادی اختلاف کے باوجود میں اور میرے متعدد احباب دعوت
کو عرصہ سے پڑھتے آرہے ہیں کیونکہ اس میں کم سے کم وہ جعلی
خرافات و مکروہات تو نہیں ہوتیں جن سے کوئی بھی مسلم جریدہ
بچا ہوا نہیں۔ لیکن اب عرصہ سے اس کے شذرات وغیرہ
کچھ ایسے آرہے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا انھیں کیوں پڑھا جائے۔
لاحاصل موضوعات۔ فضول کے عنوان۔ پھیکا اسلوب۔ نہ نفعِ
دنیا نہ نفعِ دین۔ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کوئی ایسا جریدہ ہے
جو اقامتِ دین جیسے نصب العین کا نقیب و داعی ہے۔ آخر
سیاست ہی اس درجہ بگھارنی ہو تو دین وین کی نقاب
کیوں اوڑھی جائے۔"

"میں کس کس موضوع پر قلم گھس سکتا ہوں۔ پھر مجھے
مخالفت کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پڑھنے والے خود احساس
کرلیں گے۔ آج نہ سہی کل سہی۔"

حافظ خنجر اب تک چپ تھے۔ اب تبسم ریز لہجے میں
بولے:۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا جناب —— ہم لوگوں نے تو سنا تھا
آپ بڑے جوشیلے ہیں۔ تجلی سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے

مگر آپ ۔۔۔۔۔ جی ہاں ۔۔۔۔" وہ فرانشی انداز میں ہنس پڑے۔

"جوش اور جذبہ زندگی کی جان ہیں خنجر صاحب۔ میں نے جس دن اپنے لہو کو سرد محسوس کیا یقین کر لوں گا کہ دستِ اجل مجھ سے زیادہ دور نہیں۔"

"لیکن اِس وقت تو اس کا ثبوت نہیں ملا" خنجر صاحب اب بھی متبسّم ہی تھے۔

"اوہو۔ تو کیا میں آپ بزرگوں سے کشتی لڑتا استغفراللہ اہلِ طریقت کی تو بے حد قدر میرے دل میں ہے بشرطیکہ وہ نام نہاد نہ ہوں۔"

"نام نہاد" مولوی فردوس تلملا اٹھے۔ "یہی تو آپ کی بری عادت ہے۔ تیش زنی کرتے ہیں۔"

"آپ کو ناگوار ہوئی میں معافی چاہتا ہوں مگر آپ کا مطلب میں نہیں سمجھا۔"

"طنز و طعن بری چیز ہے اس سے کلیجے چھلنی ہو جاتے ہیں۔"

میں نے طعن نہیں کیا۔ کیا آپ اس سے انکار کر سکینگے کہ نااہلوں نے تصوف کو توہمات و بدعات کا ملغوبہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ کتنے ہی صوفیا مطلوبہ تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے مگر اپنے ناموں کے ساتھ نقشبندی یا چشتی وغیرہ لکھ کر خود فریبی کا اعلان کرتے ہیں۔ خلقِ خدا کو دھوکا دیتے ہیں۔ دین کی جڑیں کھودتے ہیں۔"

"جڑیں تو مودودی نے کھودی ہیں۔" مولوی صاحب کو مزید غصّہ آگیا۔

"آپ اتنی لمبی چھلانگ نہ لگائیں" مدیر تجلّی نے ان کے غصّے کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "ہم ہندوستان میں بیٹھے ہیں اور مودودی پاکستان میں ہے۔ کیسا المیہ ہے کہ کوئی ادھر سے اُدھر نہیں جا سکتا۔"

"وہ تو ہے مگر میں مودودی کی بات کر رہا ہوں۔ اس نے دین کا ستیاناس کر دیا۔ کبھی خارجیوں جیسی باتیں لکھتا ہے کبھی منکرِ حدیث بن جاتا ہے۔ کبھی الحاد کی

تائید کرتا ہے۔"

"آپ کیوں غم کھاتے ہیں ــــ اس کا حساب ا[illegible] آپ سے تو نہ لے گا۔ آنجناب اگر صراطِ مستقیم پر قائم ہیں آپ کی بلا سے مودودی کچھ کرتا پھرے۔"

"مگر آپ تو مودودی کی وکالت کرتے ہیں۔ آ[illegible] ہی کب جہنم سے بچ سکیں گے۔ گمراہ کا حامی خود گمرا[illegible] ہوتا ہے۔"

"میں جہنم میں جاؤں تو یہ بھی کوئی عجوبہ نہ ہوگا آخر جہنم بھی بھرنے ہی کے لئے ہے۔ آپ کو خدا ا[illegible] بچائے۔ پھر آپ کو کیا پروا۔"

"ہمارا جہنم سے بچنا آپ کی دعاؤں کا محتاج نہیں ــــ ہم کہتے ہیں مودودی کی حمایت سے توبہ[illegible] لیجئے۔ بڑی آگ لگتی ہے۔"

"آگ بھی تو ایک آفاقی حقیقت ہے۔ لگ[illegible] دیجئے۔ چولھے نہیں جل سکتے اگر آگ لگنے کی عادت[illegible] تبدیل کر دے۔"

"یہ مہمل منطق ہے۔ آپ نے میر قطبی پڑھی ہے[illegible]"

"کیا فائدہ ہوگا ایسے سوالوں سے۔ آپ نے [illegible] ماشاءاللہ سبھی کچھ پڑھا ہے۔ سند فضیلت رکھتے ہیں[illegible] مجھ جیسے کچھ جاہل بھی شہر کے کونے کھدرے میں پڑے[illegible] رہیں تو نہ زمین اپنے محور سے ہٹے گی نہ آسمان شق ہوگ[illegible]"

"اچھا جناب اب چلیں" حافظ خنجر اُکتا کر بو[illegible]

"آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ۔ ناگوارِ خاطر نہ ہو ت[illegible] کسی دن کھانے کے وقت بھی حاضر ہوں۔"

"میرا ایمان ہے کہ دانے دانے پر مُہر ہے۔ آپ جب بھی یہاں شرب و نوش فرمائیں گے میرا کچھ ن[illegible] بگڑے گا۔"

ان کے ساتھ میں بھی دُم دبا کر سرکنے والا تھا کہ[illegible] پاٹ دار آواز میں ٹوکا گیا۔

"تم ابھی کچھ دور پہنچا کر ابھی لوٹو گے۔"

کڑھتا اور ڈٹتا میں ان کے ساتھ چلا۔

"بھئی معلوم ہوتا ہے جماعت والوں نے تمھارے پیر بگاڑو کی تنخواہ بند کردی ہے" مولوی فردوس باہر نکل کر مجھ سے بولے۔

"ہوسکتا ہے۔ دنیا رنگ رنگیلی ہے" میں نے بیزاری سے جواب دیا۔

"کیا ملتا تھا؟"

"پانچ ہزار ماہانہ۔ یہ راوی کا قول ہے۔ جھوٹ سچ کی ذمہ داری میں نہ لے سکوں گا"

"پھر کون لے گا؟" حافظ خنجر چہکے۔

"صوفی بہلول۔ وہی اصلی راوی ہیں"

"سچ بتاؤ واقعی کیا ملتا تھا؟" مولوی صاحب نے چمکار کر سوال کیا۔

"میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ چھوڑیئے یہ مسائل تصوف آپ جانیں اور وہ"

پھر میں لوٹ کر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے:۔

"ان لوگوں کو یہاں تم کیوں لائے تھے؟"

"یہ لوگ خود مجھے کھینچ کر لائے تھے۔ تباہ کردیا مردودوں نے۔ میں تو اس وقت خواجہ تلقین کے دولت کدے پر تھا۔ بے حد اہم میٹنگ ہے"

"تمھارا کوئی بھی پروگرام بے حد سے کم اہم کبھی نہیں ہوتا۔ اوقات ضائع کرتے پھرتے ہو۔ آخر کب آدمی بنوگے"

"آدمی کے علاوہ جو چاہے بنوا لیجئے۔ خدا کی پناہ۔ آدمی سے بڑا درندہ اس وقت صفحۂ ارض پر کوئی نہیں پایا جاتا"

"بس لٹریچر کی ٹانگ نہ توڑو۔ میں تمھیں کب کا بتا چکا ہوں کہ تجلّی کا ایک شمارہ پورا تمھیں مرتب کرنا ہے۔ الف سے یا تک۔ مگر تمھاری آوارہ گردیوں میں کوئی کمی نہیں نظر نہیں آتی"

"آپکے سامنے میں کیا بولوں۔ ویسے آخرت کا بھی تو سامان کرنا ہی ہے۔ صوفیاء کی صحبت اسی لئے اختیار کی ہے"

"چانٹا مار دوں گا۔ سن تہتر میں مُلّا نمبر نہ نکل سکا تو یاد رکھو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا"

"مولوی فردوس کے نزدیک تو اب بھی آپ سے برا کوئی نہیں...... گستاخی معاف فرما دیں دراصل دماغ آج کل ٹھس ہوکر رہ گیا ہے۔ خون تو نیا پیدا ہوتا ہی نہیں۔ کھوپڑی تازہ خون مانگتی ہے"

"بکواس مت کرو۔ تین ہی مہینے ہوئے جب تمھارے مشاہرے میں پچاس کا اضافہ کیا گیا تھا اب کیا روز اضافے ہوں گے"

"ان تین مہینوں میں گرانی چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بڑھی ہے۔ آپ کی بہن آدھا مہینہ گذرتے ہی کہہ دیتی ہے کہ سودا ادھار لاؤ کیش بکس خالی ہوگیا"

"تم اور وہ دونوں اس قابل ہو کہ گردن مار دی جائے۔ میرا خیال تھا وہ تمھیں آدمی بنا سکے گی مگر تم نے اسے بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ لیا۔ اب تو مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ تم دونوں سازش کرکر کے مجھ سے جھوٹ بولتے ہو"

"آپ کا کیا بگڑتا ہے۔ جہنم میں ہم جھونکے جائیں گے آپکے تو اجر ہی میں اضافہ ہوگا"

"تم وہ نالائق ہو کہ شاید جہنم بھی تمھیں قبول نہ کرسکے۔ جاؤ نکلو"

انداز پھٹکار ہی کا تھا مگر تبسم کی وہ لہران سے نہ چھپ سکی جو ان کے چہرے پر کوندی تھی۔ میرا غنچۂ دل کھِل گیا۔

"کم سے کم پچاس کا اضافہ اور کر دیجئے۔ تجلّی تو ماشاء اللہ......"

"ہاں ہاں اپنی ماشاء اللہ اپنے پاس ہی رکھو۔ سُنا ہے تم چند لفنگوں کے ساتھ مل کر کسی پرانی قبر پر عرس کا اہتمام کرنے والے ہو؟"

"جی نہیں لفنگا کوئی بھی نہیں۔ صوفی زبرجد ہیں۔ خواجہ مہتاب ہیں۔ شاہ زعفران ہیں"

"اور یہ سب اعلیٰ پائے کے صوفی ہیں۔ اے بدبخت

کیوں اپنی عاقبت برباد کرتا ہے۔ برباد تو خیر وہ پہلے ہی سے ہے۔ بیہودہ کہیں کا۔"

"تو..... تو میں آپ کی بہن سے کہہ دوں کہ پچاس کا اضافہ اور......"

"ہرگز نہیں۔ میں تو پچھلا ہی اضافہ مسترد کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ اگر شہر میں کسی بھی جگہ نیا عرس ہوا تو تمہاری کھال کھینچ لوں گا —— جاؤ اب دماغ نہ چاٹو۔ میرے پاس تمہاری طرح فالتو وقت نہیں ہوتا۔"

"اچھا ایک بات بتائیے —— دعوت میں تو حدیثیں بھی چھپتی ہیں۔ آیات کا ترجمہ بھی چھپتا ہے نصیحتیں بھی ہوتی ہیں۔ وزیر اعظم اندرا سے لے کر امریکہ کے صدر نکسن اور پاکستان کے صدر بھٹو تک کو ایڈیٹر صاحب بڑے شاندار وعظ بھی پلاتے ہیں پھر بھی آپ دعوت سے خفا ہیں میری ناقص عقل میں یہ بات نہیں آتی۔"

"تمہاری عقل میں صرف صوفی آتے ہیں۔ عرس و قوالی آتی ہے۔ کسی مسئلہ پر آج تک سنجیدگی سے سوچا ہے تم نے؟"

"کئی بار کوشش کی ہے۔ مگر..... مذاق نہ سمجھیے میرا معدہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جگر میں اینٹھن ہوتی ہے۔ عجیب عجیب خواب نظر آتے ہیں۔"

"اور میں تمہیں عنقریب ایسی سزا دینے والا ہوں کہ اس سے بھی بڑھ کر عجیب خواب نظر آئیں گے۔ بیوقوف آدمی۔ جاؤ بھاگو۔"

"میرا سوال سنجیدہ تھا......"

"جھکی —— اچھا بتاؤ اقامتِ دین کسے کہتے ہیں؟"

"جی..... اقامتِ دین۔ یعنی دین کو کھڑا کرنا۔ جیسے زمین کھود کر بجلی کے کھمبے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتاتے رہنا بھی اسی کی تمہید ہے۔"

"دوسرے بے شمار پرچے ہیں جن میں یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ پھر کیا فرق رہا ان میں اور دعوت میں ——"

"کم سے کم یہ فرق تو ہے کہ..... کہ کسی اور دیندار پرچے میں اتنے اشتہارات مجھے نصیب نہیں ہوئے۔ یہ بے حد مقبولیت کی علامت ہے۔"

"مقبولیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور کسے کہیں گے۔ تناسب بڑی چیز ہے۔ مواد کو ہر حال میں اشتہارات پر غالب رہنا چاہئیے۔"

"چلئے یہ تو خاص نمبروں کا حال ہوا۔ عام شمارے تو اس اعتراض کی زد میں نہیں آتے۔"

"میں نے کب کہا کہ آتے ہیں —— اصل گفتگو مواد کی نوعیت میں ہے۔ اخبار کی پیشانی سے اگر اقامتِ دین والا جملہ کاٹ کر یہ شعر لکھ دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

"یہ ایک غیر قومی حرکت ہوگی۔ فارسی تو غیر ملکی بھاشا ہے ——" میں بڑبڑایا۔

اور جملہ پورا ہونے سے قبل ہی بھاگ بھی پڑا۔ ان کے تیور ہی ایسے تھے۔ ویسے یہ مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ پچاس کا تازہ اضافہ ہو کر رہے گا۔ ان کی اداؤں کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ کہیں گے مردود دل میں ہوگا میرا پیارا املا لب و لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اضافے کی درخواست سوئیکار کرلی گئی ہے۔ سبحان اللہ سوئیکار۔ جیسے موٹر کار۔ اداکار۔ فنکار وغیرہ وغیرہ۔

تجلی کا ایمان نمبر

اب بھی دستیاب ہے۔ نئے حضرات سالانہ خریدار بننا چاہیں تو اسی نمبر سے شروع کر سکتے ہیں۔ جس کا جی چاہے تنہا یہ نمبر بھی تین روپے بھیج کر منگوا لے —— وی پی سے منگائیے گا تو ساڑھے چار روپے میں پڑے گا۔

منیجر تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

• جادۂ اعتدال • ہفت رنگ • ترجمان الحق کا قرآن نمبر
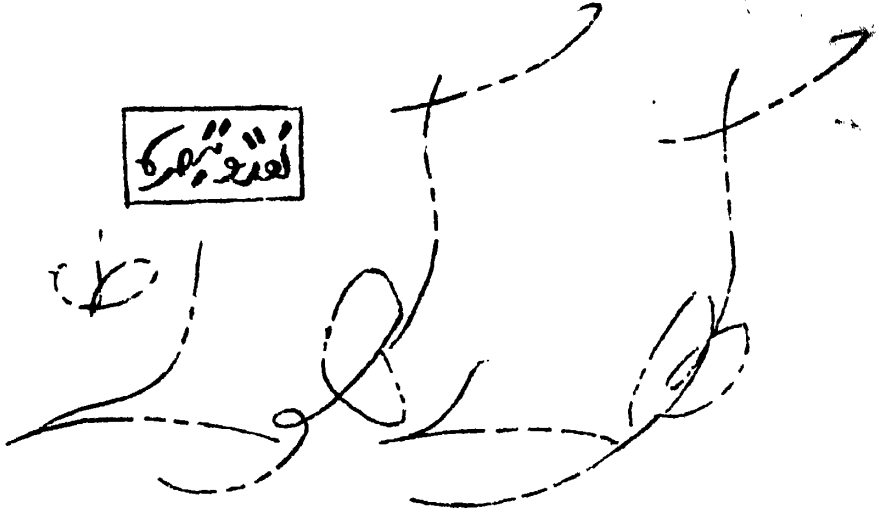
جادۂ اعتدال

• جناب عبد المغنی کے تنقیدی مقالات کا مجموعہ • کتابت وطباعت بس یوں ہی سی
• صفحات ۴۴۸ - کاغذ سفید - قیمت دس روپے
• ناشر:- کتاب منزل سبزی باغ - پٹنہ ۴

پروفیسر عبد المغنی ایک ممتاز اور معروف نقاد ہونے کے باوجود اگرچہ اُردو کے بعض اور نقادوں جیسی شہرت ابھی حاصل نہیں کر سکے ہیں لیکن ہم اپنے محدود علم اور مطالعے کی حد تک بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ ایک بنیادی وصف ان میں ایسا ہے جو انھیں اُردو کے دیگر بلند پایہ اور شہرت یافتہ ناقدین پر فوقیت دیتا ہے اور وہ ہے ان کی بعض ایسی قدروں سے وابستگی جو دائمی اور اٹل ہیں اور فی الحقیقت وہی انسان کا مایۂ خمیر ہیں۔ یہ قدریں صحیح و غلط اور کامل و ناقص کی تمیز کے لئے کسوٹی اور معیار کا کام دیتی ہیں۔ اگر ناقد کے پاس اساسی طور پر کوئی آفاقی اور مُحکم معیار نہیں ہے تو اس کا نقد محض اس کے انفرادی ذہن، میلان، پسند اور تعقل کی نمائندگی کرے گا اور ظاہر ہے کہ دوسروں کے لئے اسمیں کوئی حجت نہ ہوگی۔ مثلاً ایک ایسا ناول جس میں جنسی محرکات کے مظاہر اور شہوانی ہیجانات و مناظر کی بہتات ہو کسی بھی ایسے ناقد کی نظر میں جو اعلیٰ اقدار سے تہی دامن ہو اعلیٰ ۔ کا ناول ہو سکتا ہے اور فحش کہہ کر اس کی عظمت مجروح نہیں کی جا سکتی۔ اس کے برخلاف اعلیٰ قدروں کا حامل نقاد کسی طرح بھی اسے عظیم نہیں مان سکتا۔ خواہ اس کی انشاء اور اسلوب کیسا ہی حسین و دلکش کیوں نہ ہو کیونکہ معاشرے کو گندہ اور بیمار کرنے والے جراثیم اعلیٰ قدروں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

بہرحال عبد المغنی اپنے نقد کے پیچھے ایک بے خطا کسوٹی رکھتے ہیں اور قدرت نے انھیں تجزیہ و تحلیل کی فراواں صلاحیت عطا کی ہے۔ وہ داخلی اور خارجی گوشوں اور ذہنی و نفسی منعیبات کو بڑی بالغ نظری اور باریک بینی

سے روشنی میں لاتے ہیں۔ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ "اسلام پسندی" نے انھیں کھرّا مولوی نہیں بنایا بلکہ خوش مذاقی، وسعتِ قلبی اور جمالیاتی حس کی نقش کاریاں ان کے سارے ہی نقد پاروں میں جلوہ طراز ہیں۔ ایک گالی اگر حسین اسلوب میں دی جائے تو زاہدِ خشک اسے "گالی" کہہ کر فارغ ہو جائے گا مگر ایک بردبار ناقد "ہنرش نیز بگو" پر عمل کرتے ہوئے حسنِ اسلوب کو تھوڑا سا خراج ضرور دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فراق گورکھپوری جیسے مغلوب الجنس اور بے لگام شاعر تک کو وہ ان کے بعض محاسنِ فنی کی بنا پر تھوڑا سا خراجِ تحسین ضرور پیش کرتے ہیں تاکہ انصاف کا حق ادا ہو سکے۔ ہم اس انصاف پسندی کو دیانتدارانہ تنقید کی جان سمجھتے ہیں۔

کتاب کے مضامین کی فہرست یہ ہے۔ پہلے مقدمہ جو کتاب اور صاحبِ کتاب دونوں کو سمجھنے کے لئے مفید ہے۔ اور اس کے بعد ۲۱ مختلف ادیبوں اور شاعروں پر تنقیدی شہ پارے۔ ان صفحات میں مزید تعارف کی گنجائش نہیں۔ پھر بھی فراق کا تعزیہ سے کچھ نقل کرنے کو جی چاہتا ہے جس سے فاضل نقاد کے حسنِ نگارش اور نزاکتِ اسلوب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

"زرا ان یہ چھوٹی چھوٹی دانائیاں ایک بڑی اور بنیادی حقیقت سے محض گریز ہے جسمانیات کے انبار میں روحانیات کے یہ چند دانے ابھر نہیں پاتے۔ فراق جنس کے مرکز سے کتنا ہی بھاگیں انکی فطرت پکڑ پکڑ کر انھیں پھر وہیں لے آتی ہے۔ انکی پوری شخصیت ایک پھلا ہوا سانپ ہے جو ہوا کے جھونکے پر لہرانے لگتا ہے۔" (ص۱۳۶)

"--- منیت تو فراق کے تصور سے بہت بلند ہے محبت کے ساتھ بھی انھوں نے بڑا وحشیانہ کھیل کھیلا ہے۔" (۱۴۲)

"جنس شجرِ ممنوعہ تو یقیناً نہیں لیکن مہذب انسانی معاشرے میں اس کا لطف و احساس لازماً خلوت تک محدود رہنا چاہئے۔ جلوت میں اس کا اظہار و مظاہرہ یکسر وحشیانہ فعل ہے۔ یہ دو افراد کے درمیان اتنا خالص اور انفرادی معاملہ ہے کہ اس کو دو سے تین کی بھی اجتماعی سطح پر لانا سماج میں ہلاکت کے جراثیم بونا[1] ہے۔" (ص۱۴۳)

ان چند اقتباسات ہی سے اربابِ ذوق اندازہ کر سکتے ہیں کہ عبدالمغنی کا خامۂ تنقید کتنا شگفتہ اور مستقیم ہے۔

ویسے لسانی و انشائی رُخ پر ہمیں موصوف کی تنقیدوں میں کچھ خلا محسوس ہوا۔ یہی فراق والی تنقید بھی اس خلا سے معرّا نہیں۔ فراق صاحب اپنے بارے میں چاہے کتنی ہی خوش فہمی میں مبتلا ہوں اور ہزار بار بھی وہ اپنا یہ مصرعہ دہرائیں:-

ختم ہے مجھ پہ غزل گوئی دورِ حاضر

لیکن دوسری خامیوں کے علاوہ ان کے یہاں زبان و ادب کی خامیاں بھی وافر ہیں۔ مثلاً:-

آرہا ہے ناز سے سمتِ چمن وہ خوش خرام
دوش پر وہ گیسوئے شبگوں کے منڈلاتے سحاب

اول تو "وہ" کی تکرار ناخوشگوار ہے۔ دوسرے مصرعہ کے "وہ" کو تو بلا تکلف حشو کہا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں لفظ "منڈلانا" یہاں اُکھڑا ہوا ہے۔ یہ لفظ عموماً ذم کے سیاق میں بولا جاتا ہے۔ تصویراتی اعتبار سے بھی اس میں کوئی حسن نہیں کہاں پیکرِ ناز کے ریشمی بال اور کہاں ان بالوں کا "منڈلانا"۔

اگلا شعر ہے:-

سر سے پا تک حسن ہے سازِ نمو، رازِ نمو
آرہا ہے ایک کمسن پر دبے پاؤں شباب

"سازِ نمو" تو خیر سمجھ میں آتا ہے مگر "رازِ نمو" سوائے قافیہ بندی کے یہاں اور کیا مفہوم دے رہا ہے۔ پھر "دبے پاؤں" اور "ساز" کا بھی مقابلہ کیجئے۔ دبے پاؤں کی تو چاپ بھی سنائی نہیں دیتی۔ اور ساز آواز ہی سے عبارت ہے!۔

---

[1] جراثیم کے ساتھ "بونا" شاید سبقتِ قلمی ہو۔ (تجلی)

کمندِ فکرِ رسا میں حریف مان گئے
وہ پیچ و تاب تری زلفِ پُرشکن کے سلے

ذرا شرح توکیجئے بات کیا بنی۔ تعقید کی بدترین مثال۔ پھر کمند تو شکار کو پورا کا پورا گھیرتی ہے۔ وہ تجزیہ و تجرید کا آلہ نہیں۔ "زلفِ پُرشکن" میں اگر "شکن" لغوی معنی میں لیں تو شکن کو دیکھنا آنکھوں کا کام ہے "فکر" کا نہیں اور کنایہ بالمجاز سمجھیں تو کمند بے معنی ہو جاتا ہے۔ کمند سالم ہرن کو جکڑ سکتی ہے۔ مگر یہ نہیں بتا سکتی کہ اس کے منھ میں کتنے دانت اور سینے میں کتنی پسلیاں ہیں۔

سازِ جمال کی یہ نوا ہائے سرمدی
جوبن تو وہ فرشتے سنیں گنگناہٹیں

اس سے قطع نظر کہ لفظ "جوبن" میں یہاں بازاریت پائی جا رہی ہے "ساز" اور "گنگناہٹ" کا جوڑ آخر کیا معنی۔ ساز ہمیشہ ان نغموں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اہتمام سے پورے تال سُر میں گائے جاتے ہیں۔ اسکے برخلاف "گنگناہٹ" صرف اُن "نغموں" کا نام ہے جو بے ساختہ بھی ہوتے ہیں اور زیرِ لب بھی۔ ساز کا سوال ہی ان کیلئے پیدا نہیں ہوتا۔

اور "جوبن تو" میں "تو" بھی محض بھرتی ہے۔

شبنم زدہ غنچے لبِ لعلیں سے پشیماں

"زدہ" کا لفظ تحسین کے لئے نہیں بولا جاتا۔ آپ کسی عالم کو "علم زدہ" نہیں کہہ سکتے اور کہیں گے تو اس کا مطلب ہوگا تحقیر و تقبیح۔ "مغرب زدہ" کہتے ہیں تو مقصد ہوتا ہے تعریض و نکیر۔ ایک شخص مغربی تہذیب کا دلدادہ ہو اور آپ اس کی یہ دلدادگی پسند فرماتے ہوں تو کبھی اسے "مغرب زدہ" نہیں کہیں گے۔

فراق کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ محبوب کے شوخ، شاداب اور نازک ہونٹوں سے وہ غنچے بھی شرمندہ ہیں جنھیں شبنم کے قطروں نے حسین تر اور شاداب تر بنا دیا ہے۔ مگر لفظ استعمال کر رہے ہیں "زدہ" کا۔ ایسی غلطی کسی اچھے اہلِ زبان سے تو بعید ہی ہے۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ فراق کے یہاں زبان کے جھول اور زخم بے شمار ہیں۔ عبدالمغنی کبھی ان کا بھی جائزہ لیں۔ ویسے فراق کا ایک شعر ہمیں مدت سے بہت پسند ہے۔

منزلیں گرد کی مانند اڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گذراں ہے کہ جو تھا

فاضل نقاد کے تمام ہی نقد پارے ہمیں خوب لگے البتہ "ملا ابن العرب مکی" کے سلسلے میں کچھ اختلاف ہے۔ اس نا لائق کی محض تعریف ہی تعریف اور تنقیص نام کو نہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس اگر اس کے رشحاتِ قلم تبصرے کو آجائیں تو ہم دکھلائیں کہ ان میں کتنی خامیاں ہیں۔ عبدالمغنی جیسا بے لاگ اور بالغ نظر ناقد اگر صرف تحسین و توصیف ہی پر قلم توڑ دیتا ہے تو ہمیں شبہ ہے کہ یہ کیس قابلِ دست اندازی پولیس ہے۔

بہرکیف "کتاب منزل" نے "جادۂ اعتدال" چھاپ کر لٹریچر میں ایک اچھا اضافہ کیا ہے۔ کاش طباعت و کتابت بھی کچھ اعلیٰ ہوتی۔

ہفت رنگ

• از: نصرت عثمانی • ناشر:- نور ایجوکیشن سوسائٹی۔ ۱۰ اڈی اسٹریٹ بھارتی نگر۔ تمیا روڈ کراس۔ بنگلور ۱۔ • صفحات ۱۲۲۔
• لکھائی چھپائی ناپسندیدہ • قیمت تین روپے۔

اس شعری مجموعے میں ہر صفحے پر ایک نظم ہے سات مصرعوں والی۔ ناشر نے ایک مستقل ورق الگ سے چھاپ کر کتاب کے شروع میں چسپاں کرا دیا ہے جس میں اس مجموعے کی حیثیت اور مرتبہ و مقام کی نشاندہی دس پندرہ فقروں میں کی گئی ہے۔ مثلاً اردو ادب میں ندرت افروز تاریخی اضافہ۔ • ادب العالیہ میں التہابی شعوری پختگی کی آمد • مجتہدانہ کمالات شاعری کا مرقع۔ ارتقائے تخیل • معیاری نفسیاتی ارتقائی شاعری • شاعرانہ ابداع و اختراع • انجذابی حقائق و معارف کا عملی اظہار۔ منتہائے تفکر وغیرہ۔

پتا نہیں جب ناشر نے کتاب کے بارے میں خود ہی اتنا شاندار فیصلہ دیدیا اور تعریف کے جتنے الفاظ ان کی سمجھ میں آئے سبھی لکھ ڈالے تو اب ہم جیسے کم قابلیت والوں کو دعوتِ تبصرہ دینے کی ضرورت کیا لاحق ہوئی۔

یہ زبان وہی ہے جو اشعار میں استعمال کی گئی ہے لہٰذا اس توصیف کو بقلم خود ہی سمجھنا چاہیئے۔ پتا نہیں جب شاعر نے آپ اپنا مقام مشخص کر لیا تو اب ہم جیسے کم استعداد والے تبصرہ کیا کریں گے۔

انفرادیت تو یقیناً ہر ہر صفحے سے عیاں ہے۔ ہندوستان میں نظیر نہیں ملے گی۔ ہاں پاکستان کے ایک شاعر ہیں عبدالعزیز خالد۔ ان سے مشابہت ضرور پائی جاتی ہے۔ لگے ہاتھوں ان کے بھی چند اشعار سن لیجئے:۔

ہوتی ہیں صوا حبات یوسف — منحوس لسوس سے زیادہ

مانندِ طفل آرزومند آلش — حاضر باش سفرہ شریک کنگشن
ہے بال ہما کی طرح نایاب شفا — مشکل سے ملے ہمدمِ اخلاص منش

وہی ہے ماوہی سماح و موئتمل — وہی مامن و مرجع بےنوا ہے

ہم بے چارے خالد صاحب ہی کو نہ سمجھ سکے تو عزیزی نصرت عثمانی کو کیا سمجھیں گے کہ ان کی اغلاق پسندی مقابلتہً زیادہ ہی ہے۔ ہندوستان میں اگر کچھ خوش قسمت موصوف کے اشعار سے لطف اندوز اور مستفید ہونے کی تاب رکھتے ہوں تو بطور نمونہ چند نقل ہیں۔

اشعار سے پہلے ایک نظم کا عنوان دیکھئے:۔

"ناکامیٔ قرائنِ حسرت نیوش ہے!"

صفحہ ۹ کی نظم کے دو مصرعے۔ (نشانِ استعجاب ہو یا کوئی اور علامت سب جوں کی توں نقل ہے)

"رفتۂ جرأت و عزم سے اپنی یخ بستہ، خفتہ حمیت کی کر دے جراحت! دیکھ سے دیر وزہ تحریکِ ابطانِ ظلمت کے سائے پلے آج کی روشنی میں!!!"

صفحہ ۲۰ کے تین مصرعے:۔

خانۂ روح میں سردابۂ سازش تو نہیں
ذہن مفلوج کو آسائشِ جنبش تو نہیں
نفس جز دیدہ کی ترسیدہ نوازش تو نہیں

صفحہ ۲۶ کا ایک مصرعہ:۔

(گمانِ پروردۂ حوادث ← یقین آبی/عجبی/سرابی!!)

صفحہ ۳۵ کے دو مصرعے:۔

قریبِ حدِ فنا شورِ بادشاہی ہوا!
← جنون یاس زدہ کی نہ بدمعاشی ہوا!!

صفحہ ۴۵ کا ایک مصرعہ:۔

← جو نابلد ہیں وہ اب راندۂ گذافی ہیں!

صفحہ ۴۷ کے دو مصرعے:۔

نظر ہائے شریر و ظالم و اشفاق پہچانو!
صداقت کے افق پر رعشۂ اشراق پہچانو!!

صفحہ ۹۶ کی نظم کا فقط ایک مصرعہ آپ شاید ایک سانس میں نہ پڑھ سکیں:۔

"زمانے کی عجب نیرنگیوں سے سابقہ میرا پڑا ایسے کہ اب تک میں پشیماں ہوں مگر ہر لحظۂ آئندہ بنکر اک سفیرِ وقت آتا ہے!"

ہمارے صفحے کا کالم چھوٹا ہونے کی وجہ سے یہ دو مصرعے معلوم ہو رہے ہیں لیکن ہے یہ ایک ہی مصرعہ۔ ایسے سات مصرعوں سے نظم پوری کی گئی ہے۔

صفحہ ۷۷ کے دو مصرعے:۔

رازِ فطری یہاں بیگانۂ تنقید ہوا!!
← دل بھی پروردۂ بدکیشیٔ نومید ہوا!

مزید ایک مصرعہ:۔

ذہن ← مجذوبِ پرستش گہ تجریدیہ ہوا

لوگ کہتے ہیں دیگ کا حال جاننے کے لئے ایک چاول کافی ہوتا ہے، ہم نے بہت سے نمونے نقل کر دیئے اس کے بعد سوائے اس کے کیا کہیں کہ عزیز شاعر ہمارے فہم ناقص کی دسترس سے باہر ہیں۔ ہمارا خیال ہے پورے ملک میں بھی چند افراد ایسے دستیاب نہ ہوں گے جو ز

اسلوب کی ان فلک پیما بلندیوں کو چھو سکیں ۔ معارف و معانی تو دور کی بات ہے کتنی ہی نظموں کی بحریں اس قدر غریب و نامانوس ہیں کہ عزیز شاعر کو حواشی میں بتانا پڑا ہے کہ یہ کونسی بحر ہے ۔ ایک نظم (ص ۵۵) تو ایسی بھی ہے کہ ہر مصرعہ الگ بحر میں ہے اور شاعر کو حاشیے میں بحروں کے نام اور وزن لکھنے پڑے ہیں ۔ ہر حاشیے کے خاتمے پر شاعر نے اپنے پورے نام "س ۔ ن نصرت عثمانی" کا بھی التزام کیا ہے ۔ شاید یہ اس لئے ہو کہ کہیں کوئی نالائق قاری حاشیہ کسی اور کا نہ سمجھ بیٹھے اور علم العروض کی جو زبردست قابلیت حواشی سے اُبل رہی ہے اسے کسی اور کی طرف منسوب نہ کر دے ۔

کوئی فائدہ نظر نہیں آتا مزید کچھ عرض کرنے کا ۔ عزیز شاعر چالیس سال کی عمر سے گذر لیں تب شاید انھیں خود ہی محسوس ہو جائے کہ " مقصدی شاعری " کے عنوان سے میں جو " ہفت رنگ " لکھ آیا ہوں یہ بس عجائب خانے کی متاع ہے ۔ پڑھنے پڑھانے اور لطف لینے سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ۔ فی الحال وہ یا تو افتادِ طبع کے تحت یا پھر واہ واہ کرنے والوں کی عنایت سے بری طرح خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا نظر آتے ہیں ۔ انھوں نے شاید از راہِ سادہ لوحی یہ سمجھ رکھا ہے کہ نامانوس و نادر لغات اور عجیب و غریب اسلوب کے ذریعہ غالب اور اقبال بنا جا سکتا ہے ۔ اب انھیں کون سمجھائے اور کیسے سمجھائے کہ محض علم اللغت اور محض اغلاق پسندی ذرا بھی مفید نہیں جب تک فصاحت و بلاغت کے خصائص کو مذاقِ سلیم کا معدہ صحیح طور پر ہضم نہ کر لے ۔ غیر منہضم غذا جب بھی خارج ہوگی فسادِ معدہ و جگر کی دلیل سمجھی جائے گی ۔ انفرادیت بڑی چیز ہے ۔ مگر مغلق الفاظ کی دھکا پیل اور اہمال کی حد تک ایمائیت و اشاریت انفرادیت نہیں مسخرہ پن کہلاتی ہے ۔ عزیز شاعر اگر " شاعری " کے نام پر اپنا وقت برباد کرنا نہیں چاہتے تو پہلی فرصت میں انھیں واہ واہ کرنے والوں کا حلقہ توڑ کر کسی بیدار مغز استاد تک پہنچنا چاہیئے جس کی صحیح رہنمائی ان کی خداداد صلاحیتوں کو صحیح سمت میں نشو و نما دے سکے ۔

کتاب کے خاتمے پر موصوف کی چند غیر مطبوعہ تصانیف کا بھی اعلان موجود ہے ۔ یہ چند ۱۵ عدد ہیں ۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ کسی اور شاہکار کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنے سے قبل اس " ہفت رنگ " کا انجام دیکھ لینا چاہیئے ۔ اگر ہندوستان جنت نشان میں اسے پسند کرنے والے خریدار پانچ سات سو بھی مہیا ہو جائیں تو سبحان اللہ ۔ پھر تو دھڑا دھڑ سب کچھ چھاپیئے اور ہم جیسے نالائق تبصرہ نگاروں کو بھولے سے بھی دعوتِ تبصرہ نہ دیجئے ۔ لیکن اگر یہی فروخت ہونے کے بجائے محض نذر و نیاز میں ٹھکانے لگانی پڑی تو مزید کچھ چھاپنا فضول ہی ہوگا ۔

ہمیں احساس ہے کہ ہمارا یہ تبصرہ عزیز شاعر کے قلب نازک کو اچھی خاصی ٹھیس پہنچائے گا مگر اپنے فرائضِ منصبی کے آگے ہم بے بس ہیں ۔ خدا ہم پر رحم کرے ۔

ہفت روزہ ترجمان الحق کا قرآن نمبر

• صفحات ۱۰۸ ۔ تجلی سائز • لکھائی چھپائی غنیمت • قیمت دو روپے • سالانہ چندہ ۱۳ روپے
• پتہ :- اوقاف بلڈنگ ۔ بڈشاہ چوک ۔ سری نگر (کشمیر)

یہ ہفت روزہ کافی دنوں سے نکل رہا ہے اور صحتمند اسلامی فکر کا حامل ہے ۔ اس کا پیشِ نظر قرآن نمبر تیسرے سالنامے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور بلاشبہ یہ ایک مفید و وقیع پیشکش ہے ۔ منقولہ و غیر منقولہ تمام ہی مضامین اچھے ہیں ۔ صرف ایک مضمون ــــ " قرآن ، انسان اور چاند " ایسا نظر آیا جو نظر نہ آتا تو اچھا تھا ۔ یہ خود ادارۂ ترجمان الحق کے نقطۂ نظر اور موقف کے خلاف ہے ۔ اس پر ایک بہن صاحبہ کا نام پڑا ہوا ہے ۔ اگر واقعی وہی اسکی مصنفہ ہیں تو ہمارا برادرانہ مشورہ ہے کہ قرآن کو وہ موضوعِ سخن نہ بنائیں ۔ بنائیں تو اجتہاد نہ فرمائیں مستند مفسرین کی پیروی

کریں۔ چاند اور خلائی سفر وغیرہ کے چکر میں جتنی بھی آیات آج کل چل رہی ہیں اور جیسے جیسے نکاتِ سائنس ان سے برآمد کئے جا رہے ہیں حق یہ ہے کہ وہ ایک بیباکانہ کھیل ہے جو قرآن سے کھیلا جا رہا ہے۔ تفسیر بالرائے کی انتہائی مکروہ شکل جسے سائنس کی مرعوبیت نے خوشنما بنا دیا ہے۔

قرآن اور خلانوردی کے عنوان سے شائع شدہ مکتوب کا جواب ادارے نے خوب دیا ہے۔ نئی نسل کو اس کا پڑھنا بہت مفید ہوگا۔ صرف ایک بات ہم محترم مجیب سے کہدیں کہ ایسی تمام روایات بالیقین غلط ہیں جن سے اس امکان کا جواز ملتا ہے کہ ہمارے جدِ امجد حضرت آدمؑ کی طرح کسی اور سیارے میں دوسرا بھی کوئی آدم ہو سکتا ہے یا حضرت آدمؑ سے قبل کوئی اور بھی مخلوق ایسی گذر چکی ہے جو اپنا دور پورا کر کے حشر و نشر کی منازل سے گذر گئی ہو۔ ہم آنے والے "نظریۂ ارتقا نمبر" میں انشاء اللہ اس موضوع پر مفصل روشنی ڈال رہے ہیں۔

تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ "قرآن نمبر" کامیاب ہے اور اس کا مستحق کہ زیادہ سے زیادہ بھائی اسے پڑھیں۔

بانگِ درا .... چھ روپے ۶/-

شکوہ جواب شکوہ .... ۳۵ پیسے -/۳۵

شرح ضربِ کلیم (از پروفیسر سلیم چشتی) ..... آٹھ روپے ۸/-

شرح اسرارِ بیخودی .... " .... دس روپے ۱۰/-

شرح ارمغانِ حجاز ..... " .... چھ روپے ۶/-

مطالب بالِ جبریل (از غلام رسول مہر) ..... آٹھ روپے ۸/-

مطالب بانگ درا ..... " .... دس روپے ۱۰/-

مقاصد اقبال (از ڈاکٹر عبداللہ) ..... ساڑھے آٹھ روپے ۸/۵۰

تاریخ مشائخ چشت | شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے قلم سے۔ بزرگوں کے چیدہ چیدہ حالات۔ خاتم الانبیاء سے لیکر اپنے مرشد مولانا خلیل احمد تک۔
قیمت مجلد ــــ آٹھ روپے۔

معجزہ کیا ہے؟ | مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک فکر انگیز تصنیف۔ معجزے کے تمام پہلوؤں پر علم و تفقہ کی روشنی۔ قیمت مجلد ــــ دو روپے ۲/-۔

مکاتیب گیلانی | مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے قابلِ قدر خطوط کا مجموعہ۔ معقول و منقول کا خزانہ۔
مجلد پلاسٹک۔ دس روپے ۱۰/-۔ مجلد سادہ۔ آٹھ روپے ۸/-۔

رمضان کیا ہے؟ | مولانا محمد عبداللہ دہلویؒ کے رشحاتِ قلم۔ رمضان کے موضوع پر خوب تر کتاب۔ قیمت مجلد ــــ دو روپے ۲/-۔

الحج | مولانا اشرف علیؒ کے خلیفہ شاہ مسیح اللہ کی نادر تصنیف۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ قیمت ــــ ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰۔

فنِ اسماء الرجال | از: مولانا تقی الدین مظاہری علم الحدیث کا مدار راویوں کے حالات پر ہے اور ان حالات کو جاننا فنِ اسماء الرجال پر منحصر ہے لہذا احادیثِ رسول سے دلچسپی رکھنے والے تمام مسلمانوں کے لئے یہ کتاب بنیادی فوائد کی حامل ہے۔ قیمت ــــ ایک روپیہ ۲۵ پیسے ۱/۲۵۔

فضائل نماز | شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی مشہور کتاب عکسی طباعت کیساتھ۔ ایک روپیہ۔

اہل بیت و اہل سنت | موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اپنے موضوع پر ایک قابل مطالعہ کتاب۔ قیمت ــــ ایک روپیہ ۱/-۔

غیر سودی بینک کاری | معاشیات کے اسکالر جناب نجات اللہ صدیقی نے اس کتاب میں یہ بتایا ہے کہ سود کو ممنوع قرار دے کر بینکوں کا نظام کس طرح چل سکتا ہے۔ قیمت ــــ چار روپے ۴/-۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

آپ بھی اپنی جلد کو
خوب سے خوب تر بنائیے!
اپنی جلد کو نرم، ملائم و صاف رکھنے کے لیے اور
مہاسوں اور دوسری جلدی تکلیفوں سے
بچنے کے لیے صافی سے اپنا خون صاف رکھیے۔
صافی
خون صاف کرتی ہے
جلد کو نکھارتی ہے
خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
SAFI
ہمدرد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی مشہور و معروف تفسیر

مکمل تفسیر بیان القرآن عکسی اردو

اصل نسخہ مطبوعہ تھانہ بھون — فوٹو آفسیٹ کے ذریعے

مثالی خوبیوں کیساتھ شائع کیا جارہا ہے

تقریباً چالیس سال سے علماء اور عوام میں یکساں مقبول و معروف ہے اور بیشتر مقامات سے بارہا شائع ہو چکی ہے لیکن جس حسن انتظام اور خوبیوں کیساتھ حضرت تھانوی نے اپنی نگرانی میں "تھانہ بھون" سے شائع کرائی تھی آجتک کوئی دوسرا مطبع شائع نہیں کر سکا بحمد اللہ تھانہ بھون کے مطبوعہ اصل نسخے کا فوٹو لیکر نہایت موزوں سائز پر اعلیٰ معیار طباعت کیساتھ ماہانہ پروگرام کی شکل میں شائع کیجارہی ہے۔ آٹھ جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ باقی جلدیں پابندی وقت کیساتھ شائع ہو رہی ہیں۔

طریق اشاعت

(۱) اس اشاعتی پروگرام میں شریک ہونے کیلئے صرف دو روپے فیس ممبری ارسال کر کے اپنا نام و پتہ خریداروں میں درج کرالیں۔

(۲) قیمت فی جلد چار روپے ۴/ محصولڈاک ۱/۵۰

(۳) ممبران کو ہر دو ماہ بعد دو جلدیں آٹھ روپے میں وی پی کے ذریعہ روانہ کیجائینگی محصولڈاک معاف ہوگا

(۴) مکمل تفسیر ۲۴ جلدوں میں تیار ہوگی، ہر جلد میں تقریباً سوا پارہ کی تفسیر ہوگی۔

(۵) آپ خود خریداری قبول فرمائیں عزیزوں اور دوستوں کو خریدار بنا کر اشاعت تفسیر میں تعاون دیں

REGD. NO.
372